مجلس انصاراللہ یو۔کے۔کا علمی تعلیمی وتربیتی مجلہ

انصارالدین

جولائی تا اگست ۲۰۰۵ء جلد۲ نمبر۴

وفاء۔ظہور۱۳۸۴ہش







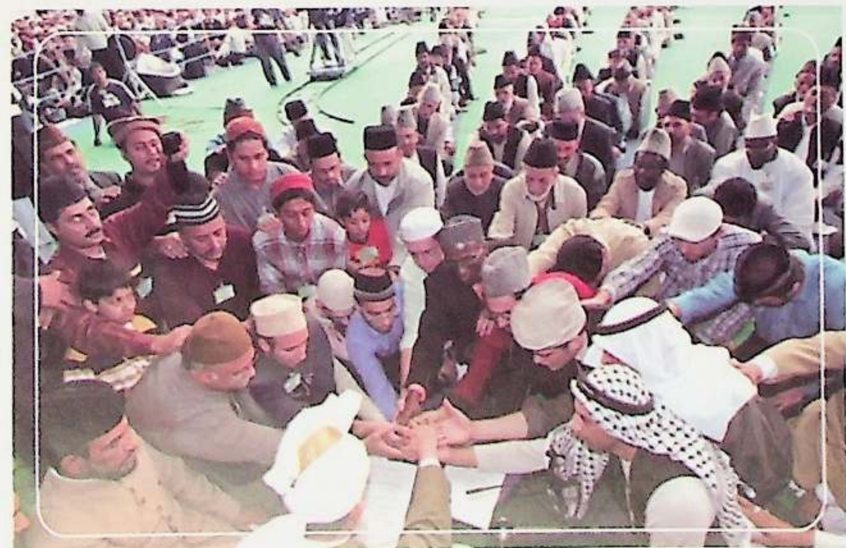
جلسہ سالانہ یوکے ۲۰۰۵

جلسہ سالانہ یو۔کے کی تصویری جھلکیاں ۲۰۰۵







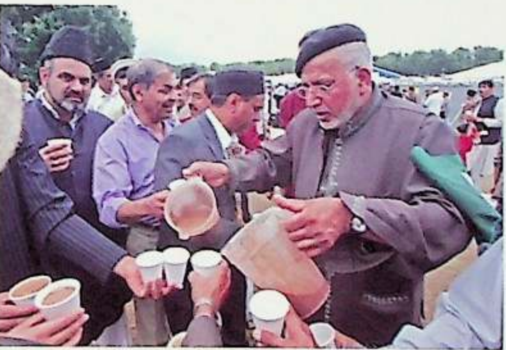



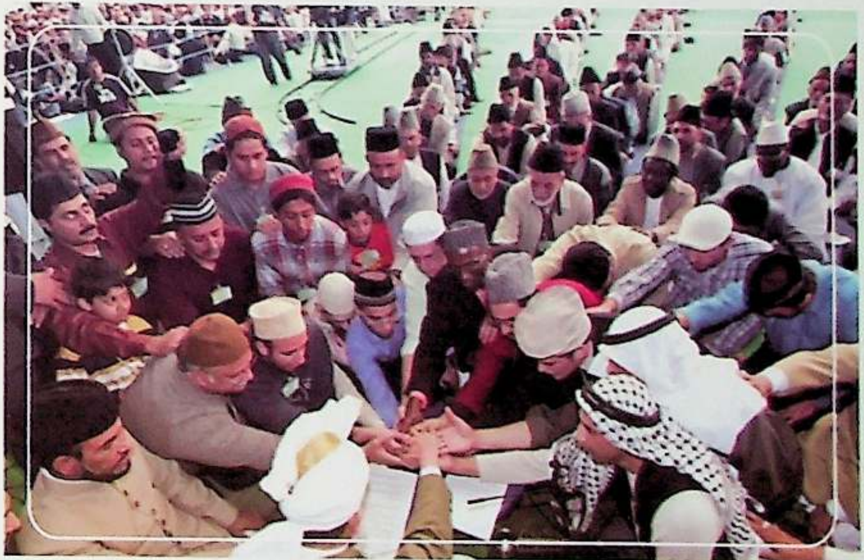



جلسہ سالانہ یو۔کے
کی تصویری جھلکیاں ۲۰۰۵







مجلس انصاراللہ یو.کے.کا علمی تعلیمی وتربیتی مجلہ

انصارالدین

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

میں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز میں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔

(انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

181 LONDON ROAD, MORDEN, SURREY SM4 5HF

اداریہ: جہاد یا تخریب کاری

اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے کچھ لوگ چند سالوں سے اسلام کے مقدس نام پر دنیا بھر میں دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ منسلک ہو کر جہاد کا پرچار کرتے ہوئے تخریبی کارروائیوں میں مشغول ہیں ۔کہیں بم دھماکے ہو رہے ہیں، کبھی خودسوزی اور کبھی خودکشی کے ساتھ بے گناہوں کے خون سے کھیلا جا رہا ہے۔ جو تخریب کاری کی گئی اس کی تفصیل دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ نے بار بار دنیا کے سامنے پیش کی اور اس طرح گویا دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں اسلام کو بدنام کرنے کے لئے بہترین مواقع فراہم کر دئے گئے۔ ان سب تخریبی کارروائیوں کا ایک ردّعمل اسلام دشمن طاقتور حکومتوں کی طرف سے تو یہ ہوا کہ انہوں نے دہشت گرد تنظیموں سے نمٹنے کے نام پر مسلمان ممالک یعنی افغانستان اور عراق کو خوفناک یلغار سے تباہ و برباد کر ڈالا اور لاکھوں بے گناہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ طاقتور حکومتوں کی یہ وہ تمنا تھی جو کسی طرح بھی پوری نہ ہو رہی تھی مگر نادان، جاہل اور گمراہ علماء نے انہیں بڑی سہولت کے ساتھ یہ موقعہ فراہم کر دیا۔ لیکن ان طاقتور حکومتوں کے انتقام کی آگ ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی کہ لندن میں خودکش حملوں اور بم دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جس سے کئی بے گناہ ہلاک ہو گئے۔ دل اس خیال سے لرز جاتا ہے کہ پتہ نہیں طاقت کے نشّے میں چُور مغربی حکومتیں اب کس کس مسلمان ملک کو اپنے انتقام کا نشانہ بنائیں گی۔

عراق پر حملہ سے قبل دنیا بھر میں مگر یورپ میں خاص طور پر لاکھوں شریف النفس لوگوں نے احتجاج کیا تھا کہ عراق پر دوبارہ حملہ کر کے بے گناہوں کے خون سے احتراز کیا جائے۔ لندن کے بم دھماکوں اور خودکش حملوں کا ایک ردّعمل یہ سامنے آیا ہے کہ وہ لوگ جو پہلے خواہ کسی بھی وجہ سے مسلمان ممالک پر حملوں کے خلاف تھے اب ان کے دلوں میں وہ ہمدردی ختم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ جب وہ ذرائع ابلاغ پر مسلمان علماء کے بیانات سنتے ہیں کہ ہاں یہ سچ جہاد ہے اور اسلام ایسی تخریبی کارروائیوں کی اجازت دیتا ہے تو ان کے دلوں میں اسلام کے لئے کوئی نرم گوشہ باقی نہیں رہتا۔

ہو سکتا ہے کہ بعض تشدد پسند مسلمان کہیں کہ ہمیں ان لوگوں کی ہمدردیوں کی کوئی ضرورت نہیں مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں اسلام کی سچی محبت ہے اور جو اسلام کی حقیقی تعلیم سے آشنا ہیں اور دنیا بھر میں اسلام کی سربلندی کے کوشاں ہیں ان کے دل اسلام کی اس بھیانک تشریح سے خون ہو جاتے ہیں۔

امام الزمان سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بارہا مسلمانوں اور ان کے علماء کو تنبیہ کی تھی کہ اب تلوار کے جہاد کا زمانہ ختم ہو چکا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ یَضَعُ الْحَرْبَ یعنی جب مسیح آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ اب نہ وہ حالات رہے ہیں اور نہ جہاد کی وہ وجوہ اور شرائط موجود ہیں۔ اسلام دفاعی جنگوں سے منع نہیں کرتا مگر تخریب کاری اور بدامنی اور ظلم کے سخت خلاف ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان یہ فرمانِ رسول ﷺ سن کر بھی لڑائی کے لئے جائے گا تو وہ سخت ذلت سے دوچار ہوگا اور مسلمان اس سے شدید ہزیمت اٹھائیں گے۔ افسوس مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کے فرستادہ کی باتوں کو نہ مانا اور اس وقت دنیا بھر میں اسلام کی بدنامی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''اے اسلام کے عالمو اور مولویو! میری بات سنو! مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب جہاد کا وقت نہیں ہے۔ خدا کے پاک نبیؐ کے نافرمان مت بنو۔ مسیح موعود جو آنے والا تھا، آ چکا۔ اور اس نے حکم بھی دیا کہ آئندہ مذہبی جنگوں سے جو تلوار اور کشت و خون کے ساتھ ہوتی ہیں باز آ جاؤ۔ تو اب بھی خونریزی سے باز نہ آنا اور ایسے وعظوں سے منہ بند نہ کرنا طریق اسلام نہیں ہے۔ جس نے مجھے قبول کیا ہے وہ نہ صرف ان وعظوں سے مونہہ بند کرے گا بلکہ اس طریق کو نہائت برا اور موجبِ غضبِ الٰہی جانے گا۔''

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ 9-8)

درس القرآن

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ

وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ

ترجمہ: وہ لوگ جن سے (بلاوجہ) جنگ کی جارہی ہے ان کوبھی (جنگ) کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔(یہ وہ لوگ ہیں) جن کو ان کے گھروں سے صرف ان کے اتنا کہنے پر کہ اللہ ہمارا رب ہے بغیر کسی جائز وجہ کے نکالا گیا اور اگر اللہ تعالیٰ ان (یعنی کفار) میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ سے (شرارت) سے باز نہ رکھتا تو گرجے اور یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے برباد کر دیئے جاتے اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔اللہ یقیناً بہت طاقت ور (اور) غالب ہے ۔
(سورۃ الحج 41-40)

سب مفسرین کے نزدیک قرآن مجید کی یہ پہلی آیات ہیں جن میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ان آیاتِ کریمہ میں وہ وجوہات اور شرائط بیان فرمائی گئی ہیں جن کی بناء پر مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے کی اجازت عطا کی گئی ہے۔

مکہ کے دَور میں مسلمان لگاتار ظلم کا نشانہ بنائے گئے اور مدینہ ہجرت کے بعد بھی ان کا پیچھا کیا گیا اور وہاں بھی ان کے لئے امن کا راستہ مخدوش کر دیا گیا۔ان آیات میں دفاع کی پہلی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ ان پر بغیر کسی جائز وجہ کے شدید ظلم ڈھایا گیا۔مسلمان تعداد میں کم اور دشمن کے مقابلہ میں ہرلحاظ سے کمزور تھے۔اسی لئے فرمایا گیا کہ اب اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔اس سے ایک پیش گوئی کا پہلو بھی نکلتا ہے کہ مغرور اور طاقت کے نشہ میں چُور دشمن کے مقابلہ میں مسلمان غالب رہیں گے۔اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد کی اجازت دینے کی پہلی وجہ یہ تھی کہ ان پر ایک لمبے عرصہ تک ظلم کیا گیا اور وہ خداتعالیٰ کی خاطر اسے برداشت کرتے رہے۔

اجازت کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ انہیں بغیر کسی جائز وجہ کے ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا اور وہ وطن سے بے وطن کئے گئے۔مدینہ میں بے وطنی اور غربت کے عالم میں بھی ان کا پیچھا کیا گیا اور مدینہ کے لوگوں کو اس بات پر اکسایا گیا کہ وہ مسلمانوں کا کسی حالت میں ساتھ نہ دیں۔جہاد کی اجازت کی تیسری اہم وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ مسلمانوں کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ خدائے واحد پر ایمان لائے تھے اور انہیں یہ کہنے پر کہ اللہ ہمارا ربّ ہے ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا تھا۔چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دفاع کی اجازت نہ دیتا تو چرچ، یہود کے معابد اور مساجد اور عبادت گاہیں تباہ و برباد کر دی جاتیں اور خداتعالیٰ کی عبادت سے لوگوں کو روک دیا جاتا۔

پس ان آیات سے یہ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ اسلام نے جب جہاد کی اجازت دی تو ساتھ اس کی وجوہات بھی بیان فرمادیں کہ کن حالتوں میں جہاد کی اجازت ہے۔پھر رسولِ مقبول ﷺ کے اسوہ حسنہ سے مزید اس بات کی تشریح کر دی کہ اگر جہاد ضروری ہو تو اس میں کن کن امور کا خیال رکھنا لازمی ہے۔قرآن مجید میں کسی مقام پر بھی یہ تعلیم نہیں کہ جس کا جی چاہے اور جب جی چاہے تو غیر مسلموں کو بغیر کسی جائز وجہ کے قتل کرنا شروع کر دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے بھی کسی ایسے نفس کو قتل کیا جس نے کسی دوسرے کی جان نہ لی ہو یا زمین میں فساد نہ پھیلایا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا(سورۃ مائدہ آیت 33)۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے وجہ کسی بھی انسان کو قتل کر دینا خداتعالیٰ کے نزدیک ایسا جرم ہے کہ گویا اس نے تمام بنی نوعِ انسان کو قتل کر دیا۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کس قدر سنگین جرم اور درندگی ہے کہ بے گناہ انسانوں کو قتل کیا جائے یا ان کے قتل پر اکسایا جائے۔یہ عمل اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔

حدیث النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ نے بہت سے مواقع پر جن خطرناک برائیوں کو دیگر برائیوں کی جڑ قرار دیا اُن میں تکبر بھی شامل ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین امور یا تین چیزیں تمام گناہوں کی جڑ ہیں۔ پس ان تینوں سے ہوشیار رہو۔ دیکھو تکبر سے بچو کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے اس بات پر انگیخت کیا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمانبرداری سے انکار کر دیا۔ اور حرص سے بچو کیونکہ یہ حرص اور لالچ ہی تھا جس نے آدم علیہ السلام کو شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھانے پر اکسایا۔ اور حسد سے بچو کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک کو حسد نے ہی اس بات پر آمادہ کیا کہ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا۔ (مسلم کتاب البرّ والصلة)

جہاں تک تکبر کا تعلق ہے، یہ کسی انسان کو زیب نہیں دیتا۔ اگر ہر شخص اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے جو انسانی فطرت کا حصہ ہیں تو اُس میں تکبر پیدا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ جتنا بھی وہ غور کرتا چلا جائے اُس میں عاجزی اور انکساری بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ آنحضور ﷺ نے تکبر کرنے والوں کو متعدد بار انتباہ فرمایا ہے کہ اُن کا ٹھکانہ جہنم میں ہی ہوگا۔ چنانچہ حضرت حارثہ بن وَھب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: کیا مَیں تمہیں اہلِ نار کے بارہ میں نہ بتاؤں؟۔ (پھر فرمایا:) ہر سخت دل، بدخُو، نیکی سے روکنے والا اور متکبّر (دوزخی ہے)۔ (صحیح بخاری. کتاب تفسیر القرآن)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا بھی نہیں جو تکبر سے اپنا تہہ بند (زمین پر) گھسیٹتا ہے۔ (صحیح بخاری. کتاب اللباس)

دوسری احادیث میں آنحضور ﷺ نے متکبر اور مسکین کا فرق بھی اسی حوالہ سے بیان فرمایا کہ متکبر کا ٹھکانہ جہنم میں اور مسکین کا ٹھکانہ جنت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ اور جنت کی آپس میں بحث وتکرار ہوگئی۔ دوزخ نے کہا کہ مجھ میں بڑے بڑے جابر اور متکبر داخل ہوتے ہیں اور جنت کہنے لگی کہ مجھ میں کمزور اور مسکین داخل ہوتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ سے فرمایا کہ تُو میرے عذاب کی مظہر ہے۔ جسے مَیں چاہتا ہوں تیرے ذریعے عذاب دیتا ہوں اور جنت سے کہا: تُو میری رحمت کی مظہر ہے، جس پر مَیں چاہوں تیرے ذریعے رحم کرتا ہوں اور تم دونوں میں سے ہر ایک کو اس کا بھرپور حصہ ملے گا۔ (مسلم کتاب الجنة وصفة نعمها وأهلها)

تاہم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب تک تکبر کی پہچان پیدا نہ ہو، انسان تکبر کی کسی راہ کو اختیار کر لے یا پھر تکبر سے بچنے کی خاطر خدا تعالیٰ کی نعماء کو بھی اپنے اوپر حرام قرار دے لے۔ چنانچہ افراط وتفریط سے بچنے کی خاطر یہ حدیث قابل غور ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتی اچھی ہو۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے، خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرے اور لوگوں کو ذلیل وحقیر سمجھے۔ (صحیح مسلم. کتاب الایمان. باب تَحرِیمِ الْکِبْرِ.....)

کلام الامام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"تم اُس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ اُن کی تحقیر۔ اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے اُن کی تذلیل۔ اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُن پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔ .... خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آئے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اُس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بد قسمت وہ شخص ہے جو اِن باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور مَیں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بد بخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔ .... تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو تا وہ بھی تمہارا دوست بن جائے۔ تم ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو۔ تم سچ مچ اُس کے ہو جاؤ تا وہ بھی تمہارا ہو جائے۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹۔ صفحہ ۱۲ تا ۱۳)

"یاد رکھو حقوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق اللہ دوسرے حق العباد۔

حق اللہ میں بھی امراء کو دقّت پیش آتی ہے اور تکبر اور خود پسندی ان کو محروم کر دیتی ہے مثلاً نماز کے وقت ایک غریب کے پاس کھڑا ہونا بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اُن کو اپنے پاس بٹھا نہیں سکتے اور اس طرح پر وہ حق اللہ سے محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ مساجد تو دراصل بیت المساکین ہوتی ہیں۔ اور وہ ان میں جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور اسی طرح وہ حق العباد میں خاص خاص خدمتوں میں حصّہ نہیں لے سکتے۔ غریب آدمی تو ہر ایک قسم کی خدمت کے لئے تیار رہتا ہے۔ وہ پاؤں دبا سکتا ہے۔ پانی لا سکتا ہے۔ کپڑے دھو سکتا ہے یہاں تک کہ اُس کو اگر نجاست پھینکنے کا موقعہ ملے تو اس میں بھی اُسے دریغ نہیں ہوتا، لیکن امراء ایسے کاموں میں ننگ و عار سمجھتے ہیں اور اس طرح پر اس سے بھی محروم رہتے ہیں۔ غرض امارت بھی بہت سی نیکیوں کے حاصل کرنے سے روک دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ مساکین پانچ سو برس اوّل جنت میں جائیں گے۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۶۸۔ جدید ایڈیشن)

ارشاد حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(شرائط بیعت میں) ساتویں شرط یہ ہے کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔
شیطان کیونکہ تکبر دکھانے کے بعد سے ابتدا سے ہی یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاؤں گا اور عبادالرحمٰن نہیں بننے دوں گا اور مختلف طریقوں سے اس طرح انسان کو اپنے جال میں پھنساؤں گا کہ اس سے نیکیاں سرزد اگر ہو بھی جائیں تو وہ اپنی طبیعت کے مطابق ان پر گھمنڈ کرنے لگے اور یہ نخوت اور یہ گھمنڈ اس کو یعنی انسان کو آہستہ آہستہ تکبر کی طرف لے جائے گا۔ یہ تکبر آخر کار اس کو اس نیکی کے ثواب سے محروم کر دے گا۔ تو کیونکہ شیطان نے پہلے دن سے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ انسان کو راہ راست سے بھٹکائے گا اور اس نے خود بھی تکبر کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا تھا اس لئے یہی وہ حربہ ہے جو شیطان مختلف حیلوں بہانوں سے انسان پر آزماتا ہے اور سوائے عبادالرحمٰن کے کہ وہ عموماً اس ذریعہ سے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں، عباد تگزار ہوتے ہیں، بچتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عموماً تکبر کا ہی یہ ذریعہ ہے جس کے ذریعہ شیطان انسان کو اپنی گرفت میں لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔ کہ یہ ہم نے بیعت کرتے ہوئے یہ شرط تسلیم کر لی کہ تکبر نہیں کریں گے، نخوت نہیں کریں گے، بکلی چھوڑ دیں گے۔ یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کی مختلف قسمیں ہیں، مختلف ذریعوں سے انسانی زندگی پر شیطان حملہ کرتا رہتا ہے۔ بہت خوف کا مقام ہے۔ اصل میں تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہو تو اس سے بچا جا سکتا ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کرنے کے لئے بھی اس ساتویں شرط میں ایک راستہ رکھ دیا۔ فرمایا کیونکہ تم تکبر کی عادت کو چھوڑو گے تو جو خلا پیدا ہو گا اس کو اگر عاجزی اور فروتنی سے پُر نہ کیا تو تکبر پھر حملہ کرے گا۔ اس لئے عاجزی کو اپناؤ کیونکہ یہی راہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ آپ نے خود بھی اس عاجزی کو اس انتہاء تک پہنچا دیا جس کی کوئی مثال نہیں تبھی تو اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر آپ کو الہاماً فرمایا کہ تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں۔ تو ہمیں جو آپ کی بیعت کے دعویدار ہیں، آپ کو امام الزمان مانتے ہیں، کس حد تک اس خُلق کو اپنانا چاہئے۔ انسان کی تو اپنی ویسے بھی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ تکبر دکھائے اور اکڑتا پھرے۔ یہ قرآن شریف کی آیت میں پڑھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا. اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾۔ (بنی اسرائیل: ۳۸) اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ تُو یقیناً زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور نہ قامت میں پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔

جیسا کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے انسان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ کس بات کی اکڑ فوں ہے۔ بعض لوگ کنویں کے مینڈک ہوتے ہیں، اپنے دائرہ سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔ اور وہیں بیٹھے سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑی چیز ہیں۔ اس کی مثال اس وقت میں ایک چھوٹے سے چھوٹے دائرے کی دیتا ہوں، جو ایک گھریلو معاشرے کا دائرہ ہے، آپ کے گھر کا ماحول ہے۔ بعض مرد اپنے گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کر رہے ہوتے ہیں کہ روح کانپ جاتی ہے۔ بعض بچیاں لکھتی ہیں کہ ہم بچپن سے اپنی بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی ہیں اور اب ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔ ہمارے باپ نے ہماری ماں کے ساتھ اور ہمارے ساتھ ہمیشہ ظلم کا رویہ رکھا ہے۔ باپ کے گھر میں داخل ہوتے ہی ہم سہم کر اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔ کبھی باپ کے سامنے ہماری ماں نے یا ہم نے کوئی بات کہہ دی جو اس کی طبیعت کے خلاف ہو تو ایسا ظالم باپ ہے کہ سب کی شامت آ جاتی ہے۔ تو یہ تکبر ہی ہے جس نے ایسے باپوں کو اس انتہا تک پہنچا دیا ہے اور اکثر ایسے لوگوں نے اپنا رویہ باہر ایسا رکھا ہوتا ہے، بڑا اچھا رویہ ہوتا ہے ان کا اور لوگ باہر سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ان جیسا شریف انسان ہی کوئی نہیں ہے۔ اور باہر کی گواہی ان کے حق میں ہوتی ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو گھر کے اندر اور باہر ایک جیسا رویہ اپنائے ہوئے ہوتے ہیں ان کا تو ظاہر ہو جاتا ہے سب کچھ۔ تو ایسے بد خُلق اور متکبر لوگوں کے بچے بھی، خاص طور پر لڑکے جب جوان ہوتے ہیں تو اس ظلم کے ردّ عمل کے طور پر جو انہوں نے ان بچوں کی ماں یا بہن یا ان سے خود کیا ہوتا ہے، ایسے بچے پھر باپوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ایک وقت میں جا کر جب باپ اپنی کمزوری کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس سے خاص طور پر بدلے لیتے ہیں۔ تو اس طرح ایسے متکبرانہ ذہن کے مالکوں کی اپنے دائرہ اختیار میں مثالیں ملتی رہتی ہیں۔ مختلف دائرے ہیں معاشرے کے۔ ایک گھر کا دائرہ اور اس سے باہر ماحول کا دائرہ۔ اپنے اپنے دائرے میں اگر جائزہ لیں تو تکبیر کی یہ مثالیں آپ کو ملتی چلی جائیں گی۔

پھر اس کی انتہا اس دائرے کی اس صورت میں نظر آتی ہے جہاں بعض قومیں اور ملک اور حکومتیں اپنے تکبر کی وجہ سے ہر ایک کو اپنے سے نیچ سمجھ رہی ہوتی ہیں۔ اور غریب قوموں کو، غریب ملکوں کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھا ہوتا ہے۔ اور آج دنیا میں فساد کی بہت بڑی وجہ یہی ہے۔ اگر یہ تکبر ختم ہو جائے تو دنیا سے فساد بھی مٹ جائے۔ لیکن ان متکبر قوموں کو بھی، حکومتوں کو بھی پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تکبر کرنے والوں کے غرور اور تکبر کو توڑتا ہے تو ان کا پھر کچھ بھی پتہ نہیں لگتا کہ وہ کہاں گئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: ﴿فَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا. اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان: ۱۹)۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اور (نخوت سے) انسانوں کے لئے اپنے گال نہ پُھلا اور زمین میں یونہی اکڑتے ہوئے نہ پھر۔ اللہ کسی تکبر کرنے والے (اور) فخر و مباہات کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

صفحہ ۱۷ پر جاری ہے

مدینہ منوّرہ کی ضیافتیں

(ہادی علی چوھدری)

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی ضیافت

آنحضرت ﷺ نے جب مکّہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں مقیم ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت زید بن ثابتؓ نے آپؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جو اُن کی والدہؓ نے بھجوایا تھا۔ مدینہ میں یہ آپؐ کی پہلی ضیافت تھی۔ یہ کھانا ایک بڑا پیالہ ثرید کا تھا جس میں روٹی، گھی اور دودھ تھا۔ ابھی یہ دروازے سے ہٹے نہ تھے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ بھی ثرید اور گوشت لے کر پہنچ گئے۔ یہ آپؐ کی دوسری ضیافت تھی۔ پھر اپنے آقاؐ کی محبّت میں ایسا تسلسل بن گیا کہ کوئی شب ایسی نہ ہوتی کہ آپؐ کے دروازہ پر تین چار صحابہؓ کھانا لے کر نہ پہنچتے ہوں۔ اس صورتحال کی وجہ سے انہوں نے باریاں مقرر کرلیں۔ ہر کوئی اپنی باری پر آپؐ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ پیش کرنے کے لئے لے آتے۔

(ابن سعد ذکر خروج رسول اللہ ﷺ و ابی بکرؓ الی المدینۃ للھجرۃ)

یہ سلسلہ کچھ عرصہ چلتا رہا حتی کہ آپؐ ایک الگ مکان میں منتقل ہوگئے۔ وہاں بھی صحابہؓ آپؐ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ بھجواتے رہتے تھے۔ اسی اثناء میں آپؐ کے مستقل گزارہ کے لئے انصار میں سے بعض نے اپنے کھجور کے درختوں میں سے نشان لگا کر ایک ایک درخت آنحضرت ﷺ کے لئے الگ کر دیا تھا جس کا پھل خالصۃً آپؐ اور آپؐ کے اہلِ بیت کے لئے ہوتا تھا۔ جب یہ پھل اترتا تو آپؐ کے گھر پہنچا دیا جاتا۔ جب آپؐ کو خدا تعالیٰ نے بنو نضیر وغیرہ کی املاک عطا کیں تو آپؐ نے انصار کو ان کے درخت واپس لوٹا دیئے۔

(مسلم کتاب الجھاد والسیر باب ردّالمھاجرین الیٰ الانصار منائحھم من الشجر)

انصارؓ کی طرف سے آپؐ کی ضیافت کا یہ دور ختم ہوا تو آپؐ خود سب سے بڑے میزبان بن گئے۔ اور مہمانوں کے لحاظ سے بھی آپؐ کے ہاں "تَھْوِیْ اِلَیْکَ الزُّمَرُ بِالْکِیْزَان" کا نظارہ نظر آتا ہے۔ کہ لوگ گروہ در گروہ کوزے لئے ہوئے تیری طرف لپک رہے ہیں۔

دنیا کا سب سے بڑا مہمان نواز

مدینہ میں ابتداء ہی سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔ آپؐ خود ان مہمانوں کے لئے ضیافت کے سامان فرماتے تھے۔ بنوسعد بن بکر کے سردار ضمام بن ثعلبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ہاں مقیم ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی طرح بکثرت مہمانوں اور مسافروں کی ضیافت آپؐ کے گھر میں ہوتی تھی۔

حضرت مقداد بن الاسودؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی شدّتِ بھوک کا ماجرا سنایا۔ آپؐ انہیں اپنے گھر لے گئے اور اپنی چار بکریوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کا دودھ خود بھی پیو اور ہمیں بھی پلاتے رہو اور یہیں رہو۔ چنانچہ ہم کئی دن آپؐ کے گھر رہے اور بکریوں کا دودھ پیتے رہے۔ (ترمذی ابواب الاستئذان باب کیف السلام)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارد گرد ہمیشہ ایسے لوگ رہتے تھے جن کے کھانے کی حاجتیں آپؐ پوری فرماتے تھے۔ آپؐ کے پاس مہمان بھی کثرت سے آتے تھے اور آپؐ کبھی کوئی کھانا نہ کھاتے تھے جس میں آپؐ کے ہمراہ دستر خوان پر اور لوگ نہ ہوتے ہوں ان میں بہت سے وہ ہوتے تھے جو حاجتمند تھے اور مسجد سے آپؐ کے نکلتے وقت بھوک کے باعث آپؐ کے ساتھ ہو لیتے تھے۔ (ابن سعد ذکر شدّۃ العیش علی رسول اللہ ﷺ)

اصحابِ صفہ بھی تھے جن کو اکثر آپؐ کے گھر سے کھانا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام عمومی طور پر حضرت بلالؓ کے سپرد تھا لیکن آپؐ خود نگرانی فرماتے اور مہمانوں کا خیال رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ طرزِ ضیافت تھی جو سراپا رحمت تھی جس کا جلوہ ہر ضرورتمند مقیم پر بھی ظاہر ہوتا تھا اور مدینہ میں باہر سے آنے والے ہر مہمان پر بھی۔ وہ مہمان خواہ انفرادی طور پر مدینہ منورہ میں وارد ہوتے یا کثیر التعداد وفود کی صورت میں، وہ ایک مفلوک الحال غریب انسان ہوتا یا کسی قبیلہ کا سردار یا کسی قوم کا بادشاہ، آپؐ ہر مہمان کا خیال رکھتے اور ان کے قیام و طعام اور دیگر سہولیات کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے۔ آپؐ عموماً یہ تاکید فرماتے کہ اسے اچھی جگہ ٹھہرایا جائے اور ان کی اچھی ضیافت کی جائے۔ آپؐ ہمیشہ مہمانوں کو تحائف دے کر رخصت فرماتے۔ روایت ہے کہ قبیلہ بَلِیّ جو شام کی حدود پر آباد تھا۔ اس کا ایک وفد ربیع الاوّل ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے مدینہ منورہ آیا اور حضرت رویفعؓ بن ثابتؓ کے مکان پر اترا۔ حضرت رویفعؓ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور قبل ازیں مسلمان ہو کر مدینہ میں آباد ہو چکے تھے۔ آپؓ ارکانِ وفد کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ یہ ان کی اپنی قوم کے لوگ ہیں۔ آپؐ نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کے سامنے اسلام کے محاسن بیان فرمائے۔ وفد نے اسلام قبول کیا اور دین کی تعلیم حاصل کی۔ آپؐ سے رخصت ہو کر جب یہ حضرت رویفعؓ کے مکان میں واپس آئے تو آپؐ ان کی ضیافت کے لئے خود کھجوریں لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وفد نے مدینہ میں تین دن قیام کیا۔ جب رخصت ہونے کیلئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں اجازت کے ساتھ تحائف سے بھی نوازا۔ (ابن سعد ذکر وفادات العرب . زاد المعاد)

آنحضرت ﷺ کے مستقل طریق اور مسلسل سنّت میں سے آپؐ کی ضیافت کی ایک غیر معمولی مثال یہ بھی ہے کہ حضرت نجاشیؓ نے اپنے بیٹے اَرِیٰ

بن الاصحمہ کو ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ ایک بحری قافلہ میں مدینہ بھجوایا۔ سوءِ قسمت یہ قافلہ سمندر میں غرق ہوگیا اور اس میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ (الاصابہ واسد الغابہ ذکر اَرمیٰ) لیکن حبشہ سے حضرت نجاشیؓ کے بھیجے ہوئے ایک وفد کی آمد کا ذکر ملتا ہے جو مدینہ آیا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ قافلہ جس میں اَرمیٰ بن الاصحمہؓ تھے، اسی میں سے بعض کشتیاں تھیں جو غرقابی سے بچ گئی تھیں، جن میں سوار کچھ لوگ مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے یا یہ کوئی اور وفد تھا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت نجاشیؓ کے بھجوائے ہوئے اس وفد کی بہت تکریم فرمائی، آپؐ خود ان کی ضیافت فرماتے۔ صحابہؓ نے عرض بھی کی کہ یارسول اللہ! ان کی خدمت کے لئے کیا ہم موجود نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: انہوں نے (حبشہ میں) میرے صحابہؓ کی خدمت کی تھی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں خود ان کا خیال رکھوں۔ (ابنِ کثیر باب ھجرۃ من ھاجر من اصحاب رسول اللہ ﷺ ... الیٰ الحبشہ ...، فضائل النجاشی)

شہنشاہِ دوجہاں کی عجیب شانِ دلربائی ہے کہ دنیا کے ایک پورے خطّہ کی حکمرانی کے ساتھ ساتھ آپؐ انکساری کے اس عظیم مقام پر فائز تھے کہ نسلِ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپؐ اپنے خادموں کی خدمت کرنے والوں کی خدمت پر بنفسِ نفیس مامور تھے۔ آپؐ کے اس عمل اور عظیم الشان نمونہ نے ایک طرف دنیا میں مہمان کی عظمت کو قائم کیا اور دوسری طرف ہر بلند مقام اور منصب پر فائز مسلمان کے لئے مہمان نوازی اور ضیافت کا منفرد اور اعلیٰ ترین نمونہ قائم فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

خواجہ و مر عاجزاں را بندۂ
بادشاہ و بیکساں را چاکرے
آں ترحّمہا کہ خلق از وے بدید
کس نہ دیدہ در جہاں از مادرے
ناتواناں را برحمت دستگیر
خستہ جاناں را بہ شفقت غمخورے

کہ وہ اگرچہ آقا ہے مگر کمزوروں کی بندہ پروری کرتا ہے۔ وہ بادشاہ ہے مگر بیکسوں کا خدمتگزار ہے۔ وہ مہربانیاں جو مخلوقِ خدا نے اس سے دیکھیں وہ کسی نے اپنی ماں سے بھی نہ پائی تھیں۔ وہ رحمت کے ساتھ کمزوروں کا ہاتھ پکڑنے والا اور ناامیدوں کے لئے پُر شفقت غمخوار ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

آپؐ کی ایک یہ بھی سنّت تھی کہ کوئی مہمان یا کوئی وفد آپؐ سے ملنے کے لئے آتا تو آپؐ اس کا استقبال فرماتے اور صحابہؓ کو بھی ان کے استقبال کے لئے بلاتے۔ چنانچہ عرب میں یمن کے مشرق میں ایک وسیع ریاست تھی جو قبیلہ بنو حَضرَموت کے نام پر حضر موت کہلاتی تھی۔ بنو حضر موت نے اس علاقہ پر ایک لمبا عرصہ حکومت کی تھی اور وہ سلطنت قبل از اسلام زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اس قبیلہ کا ایک وفد فتح مکّہ کے بعد حضرت وائل بن حُجرؓ کی سربراہی میں مدینہ حاضر ہوا۔ حضرت وائل بن حُجرؓ حضر موت کے شاہی خاندان کے ایک فرد تھے۔ گو وہاں ان کی بادشاہت ختم ہو چکی تھی لیکن یہ ابھی تک وہاں کے رؤساء میں شمار ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے یمن کے مختلف علاقوں میں اپنے خطوط اور مبلغوں کے ذریعہ اسلام کا پیغام پہنچانے کی مہم جاری فرمائی۔ جب حضرت وائلؓ کو اسلام کی دعوت پہنچی تو آپؓ نے بلا تاخیر اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہوگئے۔ آپؐ کو حضرت وائلؓ کی آمد کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہؓ کو بھی ان کی آمد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: "تمہارے پاس بادشاہوں کی اولاد میں سے ایک شخص آئے گا۔" چنانچہ جب یہ مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے اہلِ مدینہ کو جمع کیا اور ان کا شایانِ شان استقبال کیا اور ان کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ آپؐ نے ان کی آمد پر مسجد میں اعلان فرمایا: "یہ وائل بن حُجر ہے جو اسلام کی محبت اور رغبت میں حضر موت سے تمہارے پاس آیا ہے"۔ حضرت وائلؓ نے اپنے تمام اراکینِ وفد کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپؐ نے حضرت وائلؓ کے چہرہ پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور دعا کی: "اے اللہ! وائل پر اور ان کی اولاد دَر اولاد پر برکتیں نازل فرما اور انہیں حضر موت کے رؤساء کا رئیس بنا"۔ آپؐ نے ان کے قیام وغیرہ کا بھی بہترین انتظام کروایا اور حضرت معاویہؓ کو ان کی ضیافت پر مقرر فرمایا۔ حضرت وائلؓ نے مدینہ میں چند دن قیام کے بعد جب واپسی کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں تحائف سے بھی نوازا۔

مدینہ کے دارالضیافت

آنحضرت ﷺ مہمانوں کو خود اپنے ہاں بھی لے جاتے تھے اور صحابہؓ کے سپرد بھی فرمادیا کرتے تھے۔ اس کے لئے آپؐ کا طریق یہ تھا کہ یا تو آپؐ اعلان فرمادیتے تھے کہ کون ہے جو اس مہمان کو اپنے ساتھ لے جائے۔ ایسی صورت میں صحابہؓ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپؐ کی آواز پر لبیک کہتے۔ یا پھر آنحضرت ﷺ مہمان کو خود کسی کے سپرد فرماتے۔ بعض اوقات آپؐ کے مہمان اپنے ذاتی تعارف یا دیرینہ تعلق کی بنا پر از خود صحابہؓ کے پاس قیام کرتے اور بسا اوقات مہمان ایک اجنبی کی طرح مدینہ میں آتا تو جس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا، وہ صحابیؓ اسے اپنا مہمان بنا لیتا۔ اس کے علاوہ دو گھر ایسے تھے جو گویا مستقل دارالضیافت تھے۔ ان میں سے ایک گھر حضرت حارثہ النعمانؓ کا تھا اور دوسرا حضرت رملہ بنت الحارثؓ کا۔ اسی طرح کئی مرتبہ مسجدِ نبوی بھی مہمانوں کی قیام گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔

بنو ثقیف طائف کا سب سے بڑا اور جنگجو قبیلہ تھا اور بہت بڑی اہمیّت کا حامل تھا۔ رمضان ۹ھ میں اس قبیلہ کا انیس (۱۹) ارکان پر مشتمل ایک وفد مدینہ آیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کا سربراہ عبدِ یالیل تھا۔ یہ طائف کا رئیس اعظم تھا اور یہ وہی شخص تھا جسے نبوّت کے ابتدائی سالوں میں طائف پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام دی تھی۔ اس وقت اس نے نہ صرف یہ کہ اس نے آپؐ کی دعوت کو گستاخی کے ساتھ ردّ کر دیا تھا بلکہ آپؐ کو شہر سے نکل جانے پر بھی مجبور کیا تھا اور پھر آوارہ آدمی آپؐ کے پیچھے لگا دیئے تھے۔ جنہوں نے مسلسل تین میل تک آپؐ کا پیچھا کیا۔ ان بد بختوں نے آپؐ پر پتھر برسائے۔ اس سے آپؐ کا بدن مبارک خون سے تربتر ہوگیا۔

آپؐ نے اس کے بدلہ میں ان کی ہلاکت کی نہیں بلکہ ان کی ہدایت کے لئے دعا کی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا۔ آج وہی شخص ایک وفد کے ہمراہ صرف اپنی اطاعت کا سوالی بن کر ہی نہیں، بلکہ آپؐ کی غلامی کا جُوا پہننے کے لئے آپؐ ہی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا۔

بعد ازاں جب مکہ فتح ہوا تو اس کے فوراً بعد بنو ثقیف سمیت قبائلِ ہوازن کو حنین میں عبرت ناک شکست ہو چکی تھی۔ اس کے بعد جلد ہی عرب کا بیشتر حصہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا تھا۔ ان حالات میں بنو ثقیف کو اپنی حیثیت کا پورا اندازہ ہو چکا تھا چنانچہ انہوں نے بھی مدینہ کا رُخ کیا۔ عبدیالیل کی سربراہی میں جب یہ وفد مدینہ کے قریب 'ذی حرص' میں پہنچا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو بنو ثقیف سے تھے، وہاں اونٹنیاں چرا رہے تھے۔ حضرت مغیرہؓ کو بنو ثقیف کے وفد کی مدینہ میں آمد سے اتنی خوشی ہوئی کہ آپؓ فوراً آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دینے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ راستہ میں آپؓ کو حضرت ابو بکرؓ مل گئے۔ آپؓ نے پوچھا: خیر تو ہے کہ ایسے بھاگے جا رہے ہو۔ حضرت مغیرہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو بتایا تو آپؓ بھی بیحد خوش ہوئے اور آپؓ نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ خوش خبری پہنچائی۔ آپ کو بھی اس وفد کی آمد کی خبر سے بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ یہ وفد مدینہ پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے اسے خوش آمدید کہا اور اس کے لئے مسجد میں ہی خیمہ لگوا دیا تاکہ وہ وہاں رہ کر نماز کی ادائیگی دیکھ سکیں، قرآن سن سکیں اور زیادہ سے زیادہ دین سیکھ سکیں۔ آپؐ خود ان کی ضیافت کی نگرانی فرماتے اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزارتے تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ محاسن و تعلیمِ اسلام سے آراستہ کر سکیں۔

(ابن سعد وابنِ هشام وفد بنو ثقیف)

بسا اوقات مہمان مدینہ میں اجنبی کی طرح وارد ہوتے تو جس کے گھر کا وہ دروازہ کھٹکھٹاتے، وہ صحابیؓ انہیں اپنا مہمان بنا لیتا۔ چنانچہ قبیلہ بنو بہراء، جو بنو بلیؔ کی طرح قبیلہ بنو قضاعہ کا ذیلی قبیلہ تھا اور مدین سے آگے شام کی سرحدوں پر عقبہ اور اَیلہ تک پھیلا ہوا تھا۔ ۹ھ میں اس قبیلہ کا تیرہ افراد پر مشتمل ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے مدینہ وارد ہوا۔ انہوں نے اپنے اونٹ حضرت مقداد بن الاسودؓ کے گھر کے سامنے بٹھا دیئے۔ حضرت مقدادؓ نے ان کو مدینہ میں خوش آمدید کہا اور اپنا مہمان بنا لیا۔ حضرت مقدادؓ وہی فدائی صحابی ہیں جو کچھ عرصہ پہلے بھوک سے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کے مہمان بنے رہے تھے اور آج وہ خود آنحضرت ﷺ کے مہمانوں کے میزبان تھے۔ آپؓ نے کھجور، ستو اور گھی سے حَیس تیار کر کے ان مہمانوں کو پیش کیا۔ انہیں یہ کھانا بیحد پسند آیا۔ حضرت مقدادؓ نے اس حیس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی بھجوایا۔ آپؐ نے حَیس کھا کر برتن حضرت مقدادؓ کو واپس بھجوا دیا۔ حضرت مقدادؓ اپنے مہمانوں کو کھانا اسی برتن میں پیش کرتے جسے وہ خوب سیر ہو کر کھاتے مگر کھانے میں کمی نہ آتی اور کھانے کی لذت بھی بیحد ہوتی۔ ایک دن انہوں نے حضرت مقدادؓ سے پوچھا کہ ہم نے تو سنا تھا کہ مدینہ والے بہت سادہ خوراک کھاتے ہیں لیکن تم تو ہمیں بہت لذیذ اور پُر تکلف کھانا کھلاتے ہو۔ حضرت مقدادؓ نے بتایا کہ اس برتن میں سے آنحضرت ﷺ نے کھایا ہے اور اسے آپؐ کی مبارک انگلیاں لگی ہیں۔ یہ سب لذت اور برکت آپؐ ہی کی برکت سے ہے۔

حضرت مقداد بن الاسودؓ کی تبلیغ کے ذریعہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد انہوں نے چند دن مدینہ میں ٹھہر کر قرآن کریم سیکھا اور اسلام کی تعلیم سے روشناس ہوئے۔ واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ نے انہیں تحائف عطا کئے۔ (ابن سعد ذکر الوفود)

اکثر اوقات آنحضرت ﷺ مہمانوں کا انتظام خود کسی صحابیؓ کے سپرد فرماتے چنانچہ اَیلہ، تبوک سے شمال مغربی جانب خلیج عقبہ کے اوپر کی طرف ایک ریاست تھی۔ اس ریاست کا نام اس کے ایک چھوٹے سے شہر ایلہ کے نام پر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ یہود کی وہی بستی تھی جہاں یہود کے لئے سبت کے دن مچھلی کا شکار ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اس حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں خسارہ پانے والے بندر قرار دیا گیا تھا۔ اب یہ بستی سلطنتِ رَوما کے تحت تھی اور اس کا حاکم یُحَنَّہ (یوحنا) بن رُوبہ جو پادری بھی تھا، ہرقل کے ماتحت تھا۔ (ابن هشام غزوۂ تبوك) تبوک میں قیام کے دوران آنحضرت ﷺ نے اس ریاست کی طرف بھی ایک دستہ بھجوایا۔ جس کے ہاتھ وہاں کے حاکم کو خط بھی بھیجا۔

یحنّہ بن روبہ حاکمِ اَیلہ آپؐ کا خط ملنے پر خود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ شام، یمن، بحر کے بعض علاقوں کے نمائندے بھی تھے۔ اسی طرح علاقہ جَرباء اور اَذرُح کے لوگ بھی تھے۔ جب وہ آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے آئے تو یحنّہ بن روبہ کے سینہ پر سونے کی صلیب لٹک رہی تھی جو اس کی پیشانی سے بندھی ہوئی تھی۔ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دست بستہ کھڑے ہو کر سر جھکا کر تعظیم بجا لایا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے اشارہ سے سر اٹھانے کو کہا اور اس سے مصالحت کی پیشکش کی۔ چنانچہ اسی وقت ان سے مصالحت اور امان طے ہو گئی اور شرائط تحریر کی گئیں۔ اس نے اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے آپؐ کی خدمت میں ایک سفید خچر تحفۃً پیش کی۔ آپؐ نے بھی اسے ایک یمنی چادر اوڑھائی اور ان سب کے قیام کا انتظام حضرت بلالؓ کے ساتھ آپؓ ہی کے خیمہ میں کیا۔

(ابن سعد ذکر بعثة رسول الله ﷺ الرسل بکتب الی الملوك...)

مہمان نوازی کے لئے آپؐ کا ایک طریق یہ بھی تھا کہ آپؐ مہمان کو خود اپنے ساتھ گھر لے جاتے یا اعلان فرما دیتے تھے کہ کون ہے جو اس مہمان کو اپنے ساتھ لے جائے۔ ایسی صورت میں قطع نظر اس کے کہ وسائل اور مسائل کیا ہیں، گھر میں کچھ کھانے کو ہے بھی یا نہیں، صحابہؓ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپؐ کی آواز پر لبیک کہتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مسافر آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے گھر پیغام بھجوایا کہ اس کے لئے کچھ کھانا بھجوا دیا جائے۔ گھر سے جواب ملا کہ گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس پر آپؐ نے اعلان فرمایا کہ کون ہے جو اس مہمان کے کھانے کا انتظام کرے گا؟ ایک انصاریؓ نے عرض کی کہ اس مہمان کو وہ اپنے ساتھ لے جائے گا۔ چنانچہ وہ اسے لے کر گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے مہمان کی خاطر مدارت کا

بندوبست کرو۔ بیوی نے جواب دیا کہ گھر میں تو صرف بچوں کے کھانے کے لئے معمولی سی خوراک کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ بیوی نے کہا کہ ایسا کرو کہ کھانا تیار کرو، چراغ جلاؤ اور جب کھانے کا وقت آئے تو بچوں کو بہلا کر سلا دو۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ کھانا پکایا، چراغ جلایا اور بچوں کو بہلا کر بھوکا ہی سلا دیا۔ مہمان کھانے کے لئے آیا تو خود چراغ درست کرنے کے بہانے اُٹھی اور اسے گُل کر آئی۔ اندھیرے میں دونوں میاں بیوی مہمان کے ساتھ بیٹھے بظاہر کھانا کھاتے اور چٹخارے لیتے رہے تا کہ وہ یہ سمجھے کہ یہ دونوں بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ چنانچہ مہمان نے تسلّی کے ساتھ خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور یہ دونوں بھی اپنے بچوں کے ساتھ بھوکے ہی سو رہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اس منظر سے آنحضرت ﷺ کو بھی آگاہ فرمایا۔ چنانچہ صبح جب وہ انصاریؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ہنس کر فرمایا: تمہاری رات والی تدبیر سے تو اللہ تعالیٰ بھی ہنس دیا تھا۔

(بخاری کتاب المناقب باب و یوثرونَ علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصة)

مہمان نوازی کے مثالی چراغ

حضرت حارثة بن النعمان انصاریؓ النجّاری

آپؓ ایک صاحبِ جائیداد صحابی تھے۔ آپؓ کے مکان بھی آنحضرت ﷺ کے لئے وقف تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مکّہ سے ہجرت کے بعد مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی تو کچھ عرصہ کے بعد اپنے اہل وعیال کو بھی مدینہ بلوا لیا۔ اس قافلہ میں حضرت امّ کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت زیدؓ کے بیوی بچے اور حضرت ابو بکرؓ کے بیوی بچے تھے۔ ان کے قیام کے لئے حضرت حارثہ بن النعمانؓ نے اپنے گھر پیش کئے اور ان سب نے ایک لمبا عرصہ ان گھروں میں قیام کیا۔

حضرت فاطمہؓ کی جب حضرت علیؓ سے شادی ہوئی تو اس وقت بھی حضرت حارثہ بن النعمانؓ نے انہیں ایک گھر پیش کیا جس میں آپؓ کی رخصتی ہوئی۔

اسی طرح حضرت ماریہؓ جب مصر سے تشریف لائیں تو آنحضرت ﷺ نے انہیں بھی حضرت حارثہ بن النعمانؓ ہی کے ایک گھر میں ٹھہرایا اور حضرت ماریہؓ سے آپ کا عقد بھی یہیں ہوا۔

حضرت رملة بنت الحارث النجّاریةؓ

تاریخ اسلام میں آپؓ کی مہمان نوازی ایک مثال قرار پاتی ہے۔ اس میدان میں آپؓ کی رضا کارانہ خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو مال اور گھروں کی وسعت کے ساتھ ساتھ دل اور ایمان بھی بہت وسیع عطا فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے عقیدت و فدائیت بھی بے انتہاء بخشی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے مہمانوں کے لئے آپؓ کے گھر ہمیشہ کھلے تھے۔ یہ مہمان سال کے کسی بھی حصّہ میں آتے اور جتنے بھی ہوتے آپؓ کے گھروں میں سما جاتے تھے۔ بسا اوقات یہ مہمان وفود کی صورت میں مدینہ آتے تو ان کی تعداد دو سو افراد سے بھی زائد ہوتی مگر یہ آپؓ کے گھروں میں ٹھہرائے جاتے۔

یمن سے قبیلہ بنو نخع کا دو سو افراد پر مشتمل ایک وفد محرم ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جسے آپؓ کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔

قبیلہ بنو تغلب مدینہ سے شمال مشرقی علاقہ میں اس راستہ پر آباد تھا جو عراق کی جانب جاتا ہے۔ اس قبیلہ کے بعض حصے عراق اور دیگر علاقوں میں بھی آباد تھے اور اس قبیلہ کے اکثر افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ فتح مکّہ کے بعد اس قبیلہ کا سولہ رکنی وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس میں کچھ افراد مسلمان تھے اور کچھ عیسائی تھے۔ عیسائیوں نے سینوں پر سونے کی صلیبیں سجائی ہوئی تھیں۔ انہیں آپؓ کے گھر ٹھہرایا گیا۔ واپسی پر آنحضرت ﷺ نے وفد کو تحائف سے نوازا۔

(ابن سعدو وابن کثیر ذکر الوفود)

بنو عذرہ قبیلہ قضاعہ کا ذیلی قبیلہ تھا اور عرب اور شام کے سرحدی علاقہ میں آباد تھا۔ اس کا ایک وفد جو بارہ یا پندرہ افراد پر مشتمل تھا، ماہِ صفر ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعض روایات میں ارکانِ وفد کی تعداد اُنیس بھی آئی ہے۔ آپؐ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے قیام کا انتظام حضرت رملہ بنت الحارثؓ کے مکان میں کیا۔ آپؐ نے انہیں اسلام کا پیغام دیا۔ انہوں نے آپؐ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ پھر چند دنوں کے قیام کے بعد انہوں نے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت چاہی۔ رخصت کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے انہیں تحائف سے نوازا اور شام کی فتح کی بشارت بھی دی۔ (ابنِ سعد ذکر الوفود. و زاد المعاد)

بحرین سے وفد بنو عبد القیس فتح مکّہ والے سال آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا جس میں بیس افراد تھے انہیں آپؓ کے گھر میں مقیم کیا گیا۔

۹ھ میں بنو کلاب کا ایک تیرہ رکنی وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے قیام کا انتظام آپؓ کے گھر میں کیا گیا۔

قبیلہ بنو تغلب کا وفد مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں سولہ افراد تھے جن میں مسلمان بھی تھے اور بعض عیسائی بھی۔ اس وفد کو آپؓ کے گھر میں مقیم کیا گیا۔

قبیلہ بنو حنیفہ کا وفد جو انیس افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے قیام وغیرہ کا انتظام بھی آپؓ کے گھر میں کیا گیا۔ اسی وفد میں مسیلمہ بن حبیب بھی تھا جو بعد میں مدّعیٔ نبوّت ہو کر مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوا۔

قبیلہ بنو خولان کا وفد ۱۰ھ میں مدینہ آیا جو دس افراد پر مشتمل تھا۔ اسے آپؓ کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔

عظیم قبیلہ غسان کا تیرہ رکنی وفد مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اسے آپؓ کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔

قبیلہ مذحج کے پندرہ افراد پر مشتمل ایک وفد ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کے قیام کا انتظام آپؓ کے گھر میں کیا گیا۔

۱۰ھ میں بنو محارب کا دس افراد پر مشتمل وفد آیا۔ انہیں آپؓ کے گھر میں

بقیہ صفحہ ۱۷ پر

اصحاب احمدؑ کا عشق قرآن

(محمود احمد ملک)

(آخری قسط)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرآن کریم کے ساتھ عشق کے بے شمار نظارے تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؑ کو اپنے پاک کلام کو سمجھنے کے لئے جو فراست عطا فرمائی، اُس کا اظہار بھی حضور علیہ السلام کی کتب اور ارشادات میں کثرت سے ملتا ہے۔ قرآن کریم سے محبت، آپؑ کی روح کی غذا تھی۔ اور قرآن کریم کے ارشادات پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرنا حضورؑ کی بابرکت زندگی کی عظیم الشان مساعی کا نچوڑ دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے عالیشان مقاصد کو پورا کرنے اور آپؑ کے ارشادات پر عمل کرنے کا عہد کرتے ہوئے جن پاک وجودوں نے حضورؑ کے دست مبارک پر عہد بیعت باندھا، اُن کے لئے (عہد بیعت میں شامل ہونے کی ایک اہم شرط کے تحت) یہ ایک لازمی امر تھا کہ اُن کی عملی زندگیوں میں بھی قرآن کریم سے عشق کے مختلف پہلو نظر آئیں اور وہ بھی قرآن کریم کی ارفع واعلیٰ تعلیم پر محبت کے ساتھ عمل کرنے میں دیگر تمام مسلمان فرقوں میں ممتاز دکھائی دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور احمدیوں نے انفرادی طور پر بھی اور بحیثیت جماعت بھی، قرآن کریم کی جس شاندار خدمت کی توفیق پائی ہے، وہ تاریخ کے ہزاروں صفحات میں محفوظ ہے۔ تاہم ذیل میں (اعداد و شمار سے علیحدہ ہو کر) محض چند ایسی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ مسیح محمدی کے دست مبارک پر عہد بیعت باندھنے والوں میں قرآن کریم سے حقیقی عشق و محبت کے جو آثار نظر آتے ہیں وہ فی زمانہ دیگر فرقوں میں مفقود ہیں۔

ان روح پرور واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ حضرت مسیح پاکؑ کے عشاق سے منسوب یہ واقعات محض داستانیں ہی نہیں ہیں بلکہ یہ ایسی ایمان افروز کہانیاں ہیں جو قرآن کریم کا حقیقی فہم اور اس کی عظمت کا ادراک حاصل کئے بغیر جنم لے ہی نہیں سکتیں۔

حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کے صحابہؓ کے زمانہ میں قادیان آنے والے بہت سے مہمانوں نے اس امر کو شدت سے محسوس کیا کہ قرآن کریم کی حقیقی عظمت کو قائم کرنے کے لئے قادیان میں ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا ایسا نمونہ نظر آتا تھا جس کی مثال دنیا میں کہیں اور پیش نہیں کی جاسکتی تھی۔ جہاں ہر صبح ہر گھر سے بلند آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کی پُر کشش آواز آیا کرتی اور یہ ایسا روح پرور ماحول تھا جو دلوں پر وجد طاری کر دیتا تھا۔ چنانچہ قادیان پہلی بار جانے والے بہت سے افراد نے وہاں کے اس پاکیزہ ماحول کے زیر اثر اپنی روحانی کیفیات کو بیان کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور قادیان کی اس خصوصیت کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان کی کسی دوسری بستی میں یہ نظارہ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ بعض احباب نے اپنے قبول احمدیت کے ضمن میں احمدی معاشرہ کی اس خصوصیت کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ پہلے انگریز واقف زندگی مکرم بشیر احمد آرچرڈ صاحب بھی ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں سے ایک تھے۔ قادیان کے اسلامی ماحول نے اُن پر ایسا اثر کیا جس نے اُن کے دل میں قادیان اور اہل قادیان کے ساتھ غیر معمولی محبت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور یہی اثر بعد میں اُن کے قبول اسلام پر منتج ہوا۔

گزشتہ شمارہ میں حضرت حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حوالہ سے چند حقائق مختصراً پیش کئے گئے تھے۔ ذیل میں بعض دیگر صحابہ کرامؓ کی قرآن کریم سے محبت کے واقعات ہدیۂ قارئین کئے جارہے ہیں:-

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ابھی چھوٹے بچے ہی تھے اور ایک روز جب آپؓ گھر میں کھیل رہے تھے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت اماں جانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اسے ایم۔اے کروانا۔ چنانچہ آپؓ نے حضورؑ کی خواہش کے مطابق ایم۔اے تک تعلیم پائی۔ لیکن دنیاوی تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ آپؓ کی قرآن سے محبت کا یہ واقعہ بہت ایمان افروز ہے کہ ۱۹ سالہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ جب ۱۹۱۲ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔اے کے ہونہار طالب علم تھے تو ایک روز آپؓ نے کالج چھوڑنے کی درخواست اپنے پرنسپل کو پیش کی۔ انہوں نے آپؓ کو سمجھایا کہ آپؓ کا یہ عمل نہ صرف کالج بلکہ خود آپؓ کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ آپؓ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے ہاتھ پر اس امر کے لئے بیعت کی تھی کہ "دین کو دنیا پر غالب کروں گا"۔ میں اس اقرار کو پورا کرنا چاہتا ہوں اور اوّلین فرصت میں قادیان پہنچ کر حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحبؓ سے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ پرنسپل نے آپؓ کو یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ "بشیر احمد اس کالج کا بہترین طالب علم تھا اور اس کا کالج چھوڑ کر جانا کالج کے حق میں نقصان کا باعث ہے"۔

بہر حال آپؓ قادیان تشریف لائے تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے، جو پہلے روزانہ دو مرتبہ درس دیا کرتے تھے، آپؓ کا جذبہ دیکھ کر ایک الگ درس بھی شروع کر دیا جس سے کئی دوسرے لوگ بھی استفادہ کرنے لگے۔ ۸ر نومبر ۱۹۱۳ء کو یہ درس مکمل ہوا اور ۱۳ر نومبر کو آپؓ دوبارہ لاہور تشریف لے گئے

اور کالج کی پڑھائی از سر نو شروع کر دی۔

حضرت مولوی ابراہیم بقاپوری صاحبؓ

حضرت مولوی صاحبؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ مَیں جوانی میں پورا قرآن تین روز میں ختم کر لیتا تھا۔ اس کے بعد سات روز میں ختم کرنا شروع کیا۔ پھر دس روز میں، پھر پندرہ روز میں، پھر ایک ماہ میں، یعنی ایک پارہ ایک روز۔ اب بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ نہیں پڑھا جاسکتا، صرف آدھا پارہ روزانہ تلاوت کر لیتا ہوں۔ (حیات بقاپوری۔ حصہ اوّل صفحہ ۱۸۸،۱۱۹)

حضرت مولوی صاحبؓ کی اہلیہ محترمہ بیان فرماتی ہیں:
"مولوی صاحب آدھی رات کو اُٹھ کھڑے ہوتے اور کئی کئی گھنٹے نوافل میں مشغول رہتے اور اللہ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے رہتے کہ ایسی حالت میں اُن کے پاس آرام سے سونا مشکل ہو جاتا اور کئی بار لڑکپن کے باعث جب کہ نیند بہت بھلی ہوتی ہے، مجھے غصہ بھی آتا کہ نہ خود سوتے ہیں اور نہ سونے دیتے ہیں اور بعض اوقات طبیعت میں ندامت پیدا ہوتی تو مَیں خود بھی اٹھ کر دو چار نوافل ادا کر لیتی لیکن مولوی صاحب نہ تو تھکنا جانتے تھے اور نہ تھکتے تھے۔ نوافل سے فارغ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کرتے تو ساتھ روتے بھی جاتے حتیٰ کہ صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ جب کبھی عرض کرتی کہ آپ کے نزدیک تو آرام سے سونا بھی مشکل ہے تو فرماتے اگر اطمینان سے سونا چاہتی ہو تو چارپائی دوسرے کمرے میں لے جاؤ اور آرام سے سو جاؤ، مَیں نے تو حضرت مسیح موعودؑ کے طفیل یہ انعامات حاصل کئے ہیں اور مجھے ان کی محبت اور دعاؤں کے طفیل یہ توفیق ملتی ہے اس لئے مَیں عبادت اور تلاوت کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں"۔ (حیات بقاپوری۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۲۵۴)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ

قرآن کریم کے ساتھ اپنے عشق کا اظہار حضرت مولوی صاحبؓ ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:
"قرآن کریم کے لئے روح ایسی غیرت محسوس کرتی ہے کہ جیسے کوئی آدمی اپنی منکوحہ بیوی کی طرف دوسرے آدمی کو دیکھ کر بھڑک اٹھتا ہے اس طرح سے میری یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اگر قرآن کریم کے سامنے کوئی دوسری کتاب پڑھتا ہو تو مجھے ایسا ہی جوش آتا ہے کہ کیوں یہ اس کتاب کو دیکھ رہا ہے، کیا کلام اللہ سے بڑھ کر اس کو راحت رساں اور دلچسپ پاتا ہے؟"
(الحکم۔۱۹/ مئی ۱۸۹۹ء۔ صفحہ ۵)

پھر فرمایا: "قرآن کریم کو پڑھ کر میری روح میں ایک ایسی لذت پیدا ہوتی ہے اور اس کی عظمت کا ایسا خیال گزرتا ہے کہ دنیا بھر میں عورت، مرد، بچے، بوڑھے سب مل کر خدا تعالیٰ کی حمد کے گیت اور ترانے گائیں اور شکر کے سجدے کریں۔ جس نے ایسی کامل اور تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی راحتوں اور سکون کی کلید کتاب دی"۔ (الحکم۔۱۹/ مئی ۱۸۹۹ء۔ صفحہ ۵)

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ قرآن مجید کے عاشق تھے۔ آپؓ ایک لمبے عرصہ تک مسجد اقصیٰ میں قرآن مجید کا درس دیتے رہے۔
جب آپؓ جامعہ احمدیہ میں پرنسپل تھے تو جامعہ کی بلڈنگ مسجد نور کے قریب تھی اور آپؓ کا مکان اندرون شہر تھا۔ آپؓ صبح کے وقت اپنا مخصوص لباس زیب تن فرماتے۔ ایک مضبوط اور خوبصورت درمیانے سائز کا عصا ہاتھ میں لئے بڑے وقار سے گھر سے نکلتے، ایک ہاتھ میں چھوٹے سائز کا قرآن کھولے، تلاوت کرتے یا آیت کریمہ کے معانی پر غور و فکر فرماتے ہوئے چلتے جاتے۔ (اصحاب احمد جلد پنجم۔ صفحہ ۳۴)

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ

حضرت مولوی صاحبؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں بچپن سے ہی نمازوں کا پابند تھا اور داڑھی بھی نہیں منڈوائی تھی اس لئے لوگ مجھے مولوی کہتے تھے۔ یہ لفظ مجھے ناپسند تھا۔ جب مَیں ۱۹۱۸ء میں فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ چلا گیا تو وہاں بھی نمازوں اور تلاوتِ قرآن میں باقاعدگی کی وجہ سے لوگ مجھے مولوی کہنے لگ گئے، جس کا مجھے قلق تھا۔
ایک رات خواب دیکھا کہ مسجد اقصیٰ قادیان میں نماز پڑھنے گیا ہوں۔ درمیانے دَر کے قریب پہنچا تو آواز آئی "مولوی صاحب"۔ مَیں نے خیال کیا کہ کسی نے کسی کو بلایا ہے کیونکہ مَیں تو مولوی نہیں ہوں۔ پھر یہی آواز آئی۔ پیچھے دیکھا تو حضرت مسیح موعودؑ اس عاجز کو پکار رہے ہیں۔ جلدی سے حاضر ہوا۔ حضور نے اپنی بائیں ران پر بٹھا کر پوچھا "مولوی صاحب! آجکل لوگ ہم پر کیا اعتراض کرتے ہیں؟" عرض کیا حضور کی نبوت پر بحث کرتے ہیں۔ فرمایا: آپ پھر کیا جواب دیتے ہیں؟۔ میرا جواب سن کر حضورؑ فرمانے لگے یہی جواب درست ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی اور میرے دل میں تحریک ہوئی کہ چونکہ حضور نے مولوی کا خطاب دیدیا ہے اس لئے کسی کے مولوی کہنے پر اب مَیں ناراض نہیں ہوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے مولوی بنا دیا اور سینکڑوں مناظروں میں کامیابی بخشی۔
اپنی اور اپنے والد محترم کی قرآن کریم سے محبت کے ضمن میں حضرت مولوی صاحبؓ یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد صاحب کو ساٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ ختم کروایا تھا اور وہ ہمیشہ بالالتزام تلاوت کیا کرتے تھے۔

حضرت سارا بی بی صاحبہؓ

حضرت مولانا محبوب عالم صاحبؓ کی شادی ایک نہایت عابدہ، زاہدہ اور پارسا خاتون حضرت سارا بی بی صاحبہؓ سے ہوئی تھی جنہیں اپنے بیگانے سب ہی "اماں جی" کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت اماں جیؓ کو قرآن کریم سے اتنی محبت تھی کہ نکاح کے وقت آپؓ کی خواہش پر ہی یہ مہر رکھا گیا کہ جب تک زندہ رہیں گی حضرت مولانا صاحبؓ آپ کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے رہیں گے۔

حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ

حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصریؓ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی صحبت کے فیض کی بدولت حضورؓ کے گھر کے فرد ہی شمار ہوتے تھے اور حضورؓ نے بھی آپؓ کو اپنا بیٹا ہی قرار دیا۔ آپؓ کی شادی جب ایک نہایت مخلص احمدی حضرت منشی حبیب الرحمان صاحبؓ کی بیٹی سکینہ بی بی صاحبہ سے ہوئی تو منشی صاحبؓ نے اپنی بیٹی کا مہر یہی رکھا کہ "اسے قرآن اور حدیث سکھا دیں"۔

حضرت خصیلت علی شاہ صاحبؓ

حضرت سید حامد علی شاہ صاحبؓ کا بیان ہے کہ حضرت خصیلت علی شاہ صاحبؓ خلیق، متواضع، شب بیدار، تہجد خوان، غیرت مند اور باحیا انسان تھے۔ قرآن کے ساتھ ایسی محبت تھی کہ ایک احمدی حافظ کو ملازم رکھا ہوا تھا اور اُن کے ساتھ درس قرآن کا سلسلہ خاص انداز سے جاری تھا۔ آپؓ نے ایک بار حضور اقدسؑ کی خدمت میں اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

"...... دعا فرماویں کہ قرآن شریف کا زیادہ شوق ہو اور توفیق تفہیم حاصل ہو۔ اس وقت وہ جوش ہے جس کو یہ عاجز روک نہیں سکتا"۔

حضرت حافظ نور محمد صاحبؓ

حضرت حافظ نور محمد صاحبؓ ساکنہ فیض اللہ چک ان اصحاب میں سے تھے جنہیں دعویٰ سے قبل ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میسر رہی۔ حضرت حافظ صاحبؓ کو بچپن میں دینی علوم کی تحصیل کا بہت شوق تھا۔ آپؓ کے حافظ قرآن تایا آپؓ کو بھی حافظ قرآن بنانے کی آرزو رکھتے تھے لیکن آپؓ کے بچپن میں ہی وہ وفات پا گئے جس کے بعد آپؓ کے والد صاحب نے مجبوراً آپؓ کو کام پر لگا دیا۔

جب آپ ۱۷ برس کے ہوئے تو ایک حافظ محمد جمیل صاحب آپؓ کے گاؤں میں آئے جن سے آپؓ نے اپنے شوق سے قرآن کریم حفظ کیا اور پھر آپؓ نے اپنی زندگی قرآن کریم پڑھانے کے لئے وقف رکھی۔ چنانچہ نماز فجر سے نماز عشاء کے بعد تک اسی خدمت میں مصروف رہتے۔ جو لوگ خود نہ آسکتے، آپؓ اُن کے گھر جا کر بلا معاوضہ پڑھاتے۔ سینکڑوں افراد کو آپؓ نے قرآن پڑھایا اور بعض نے آپؓ کے ذریعہ قرآن کریم حفظ بھی کیا۔

حضرت مولوی محمد دلپذیر صاحبؓ بھیروی

آپؓ پنجابی کے مشہور شاعر اور علمی شخصیت تھے۔ ۱۸۶۵ء میں آپ کی پیدائش ہوئی اور ۱۸۹۴ء میں حضرت اقدس علیہ السلام کی بیعت کی توفیق پائی۔ ۱۹۴۵ء میں آپؓ کی وفات ہوئی۔ قبول احمدیت سے قبل ہی آپؓ کے لٹریچر کے باعث دُور دراز تک لوگ آپؓ کے معتقد تھے۔ آپؓ نے چالیس سے زیادہ کتب شائع کیں۔ تاہم احمدی ہونے کے بعد آپ کی قلمی کوششوں کا رخ احمدیہ تشریحات کی طرف منتقل ہو گیا۔

آپؓ کا دفتر بھیرہ کے بازار میں ایک چوبارہ میں تھا جہاں قرآن کریم بھی پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کو قرآن کریم کا پنجابی منظوم ترجمہ کرنے کی توفیق بھی ملی۔ جس کا ذکر "سیارہ ڈائجسٹ" نے اپریل ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۳۴۱ھ میں شائع ہوا تھا۔ بھیرہ میں آپؓ احمدیہ مسجد کے امام الصلوٰۃ اور خطیب بھی رہے اور سلسلہ کی قلمی خدمات کی بھی بہت توفیق پائی۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ

حضرت حافظ صاحبؓ نہایت ذہین آدمی تھے۔ آپؓ کو یہ غیر معمولی صلاحیت بھی حاصل تھی کہ تلاوت قرآن کرتے وقت پچھلی آیات بھی بتا سکتے تھے، الگ الگ آیات بھی بتا سکتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کریم آپؓ کے سامنے کھلا پڑا ہے۔ کسی مضمون کے متعلق دریافت کرنے پر متعدد آیات بتا دیا کرتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپؓ کی وفات پر آپؓ کی یہ خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"حافظ صاحب میں یہ بڑا کمال تھا کہ انہیں جب کوئی مضمون بتا دیا جاتا تھا وہ اس مضمون کی آیتیں قرآن کریم سے فوراً نکال دیا کرتے تھے...... مگر اُن کی وفات کے بعد مجھے اب تک کوئی ایسا آدمی نہیں ملا۔ ان کی زندگی میں مجھے مضمون تیار کرنے کے متعلق کبھی گھبراہٹ نہیں ہوا کرتی تھی کیونکہ مَیں جانتا تھا تقریر کرنے سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ان کو سامنے بٹھالوں گا اور وہ آیتیں نکال نکال کر مجھے بتاتے چلے جائیں گے"۔ (الفضل۔ ۲۶ر جولائی ۱۹۴۴ء)

ایک اور موقعہ پر حضرت مصلح موعودؓ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ:

"ایک دفعہ لاہور میں مجھے اچانک تقریر کرنی پڑی۔ حافظ روشن علی صاحب جو آیات کا حوالہ نکالنے میں بہت مہارت رکھتے تھے ان کو میں نے پیچھے بٹھالیا اور مضمون بیان کرنا شروع کر دیا جب ضرورت پڑتی ان سے حوالہ دریافت کر لیتا"۔

حضرت مسیح موعودؑ نے بھی ایک موقعہ پر حضرت حافظ صاحبؓ سے ایک حوالہ دریافت فرمایا اور آپؓ نے فوراً مطلوبہ آیت پڑھ دی۔

آپؓ کے متعلق حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے آپ سا ذہین اور قادر الکلام کوئی نہیں دیکھا"۔

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ ۱۹۱۳ء میں رمضان شریف کے دوران حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ بھی اعتکاف بیٹھے تھے۔ آپؓ نے معتکفین سے فرمایا کہ پچھلے سال سفر کے باعث مَیں آٹھ پارے قرآن شریف کے نہیں سنا سکا تھا، اگر آپ لوگ متفق ہوں تو مَیں انہیں سنانے کے لئے ابھی تیار ہوں۔ تمام حاضرین نے ہاں میں جواب دیا تو آپؓ نے آٹھ رکعتوں میں آٹھ پارے قرآن سنایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حافظ صاحبؓ کو قرآن سے کتنی محبت تھی۔

(مقالہ سیرت حضرت حافظ روشن علی صاحب صفحہ ۱۲۰۔ غیر مطبوعہ)

(۱۹۱۳ء کی) اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قادیان کی پاک بستی میں اُس زمانہ کے حالات کے مطابق معتکفین (سارے یا اُن میں سے اکثر) صحابہ کرام ہی ہوں گے۔ پس اُن اصحاب کا شوق سماعتِ قرآن بھی کس قدر ایمان افروز ہے کہ آٹھ رکعات میں آٹھ پارے قرآن سننے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

محترمہ عائشہ پٹھانی صاحبہؓ

آپؓ بیان فرماتی ہیں کہ میری پرورش چونکہ ایک جاہل معاشرہ میں ہوئی تھی اس لئے میں علم کی روشنی سے محروم تھی۔ لیکن قرآنی علوم حاصل کرنے کا مجھے بے حد شوق تھا اس لئے ہر وقت یہ دعا کرتی تھی کہ اے خدا مجھے قرآن پاک پڑھنے کی توفیق دے اور اس نور سے میرے سینے کو منور فرما تا کہ میں اس علم کے فیوض و برکات دوسروں تک بھی پہنچاؤں۔ سو جب میری پہلی بیٹی زینب چھ برس کی تھی، مَیں نے اُسے قرآن حکیم ناظرہ پڑھنے کے لئے استانی زینب صاحبہ اہلیہ حضرت مولوی عبدالرحمان صاحب مصری کے پاس بٹھایا تو ساتھ ہی میں خود بھی شاگرد بن کر بیٹھ گئی۔ میں جلدی جلدی گھر کا کام کاج نپٹا کر باقاعدگی سے قرآن حکیم پڑھنے کے لئے بیٹی کے ہمراہ چلی جاتی۔ چنانچہ میں نے خدا کے فضل سے اپنی بیٹی زینب سے تین ماہ پہلے ہی قرآن کریم ختم کر لیا۔

حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ

فرشتہ سیرت حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کے اخلاق فاضلہ اور قرآن کریم کی تعلیم کی ترویج کے بارہ میں بے شمار روایات احمدیہ لٹریچر میں محفوظ ہیں۔ آپؓ نے قرآن کریم کا ایسا شاندار انگریزی ترجمہ کرنے کی بھی توفیق پائی جس کی نہ صرف اپنی تعداد اشاعت لاکھوں میں ہے بلکہ دیگر زبانوں میں تراجم کے لئے بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے۔

مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ "حضرت مولوی صاحبؓ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے میرا معمول تھا کہ مغرب کی نماز کے لئے آپؓ کے ہمراہ جاتا۔ ایک روز راستے میں آپؓ نے دریافت فرمایا کہ تم کو چاروں قُل آتے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا تین یاد ہیں، سورۃ فلق نہیں۔ اس پر آپؓ نے راستے میں ہی متعدد بار یہ سورت دہرائی اور دوسرے روز مجھ سے سن کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ کے اسی شوق دلانے کا نتیجہ تھا کہ پھر مَیں نے لمبی لمبی سورتیں بھی یاد کیں۔ آپؓ کی اس پاکیزہ تربیت کا اب تک میرے دل پر اثر ہے"۔ (سیرت حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ صفحہ ۳۰۶، ۳۰۷)

حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

آپؓ کے والد حضرت چودھری نصر اللہ خان صاحبؓ کی بڑی خواہش تھی کہ آپؓ کو قرآن کریم کا ترجمہ آجائے۔ چنانچہ پہلے آپؓ کو مولوی عبدالکریم صاحبؓ اور پھر مولوی فیض الدین صاحب کے پاس بھجوایا گیا لیکن آشوب چشم کی وجہ سے آپؓ باقاعدگی سے حاضر نہ ہو سکتے تھے اور اسی لئے رفتار سست رہی۔ جب میٹریکولیشن کے امتحان میں چھ مہینے باقی تھے تو آپؓ کے والد صاحب نے دریافت فرمایا کہ قرآن کریم کا ترجمہ کہاں تک پڑھ لیا ہے۔ آپؓ نے عرض کی کہ ساڑھے سات پارے ختم کئے ہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا اس رفتار سے تو تم شائد کالج جانے تک دس پارے بھی نہ مکمل کر سکو اور میری بڑی خواہش ہے کہ کالج جانے سے پہلے تم سارے قرآن کا سادہ ترجمہ ضرور سیکھ لو۔ اس سے آگے تمہارے اپنے ذوق اور اخلاص پر منحصر ہے مگر اس قدر سکھا دینا میرا فرض ہے۔ اب وقت تھوڑا رہ گیا ہے تم دن میں فراغت کے وقت دو تین رکوع کا ترجمہ دیکھ لیا کرو اور شام کو مجھے سنا دیا کرو چنانچہ اس طریقہ پر انہوں نے امتحان تک آپؓ سے مکمل قرآن کا ترجمہ سن لیا۔

حضرت مولوی نظام الدین صاحبؓ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمان علماء کو وفات مسیح کے موضوع پر جب دعوت مباحثہ دی تو صرف مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے مباحثے کی یہ دعوت قبول کی اور اس مقصد کے لئے لدھیانہ پہنچے۔

مباحثہ سے قبل وہاں کے ایک دوست مولوی نظام الدین صاحب نے (جو اُس وقت تک احمدی نہیں تھے) مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے پوچھا کہ کیا قرآن مجید میں حیات مسیح سے متعلق کوئی آیات ہیں؟۔ مولوی صاحب نے جواب دیا بیس تیس ہیں۔ چنانچہ مولوی نظام الدین صاحب وہاں سے اُٹھ کر سیدھے حضور علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ اگر مَیں مسیح ناصری علیہ السلام کی حیات کے متعلق بیس تیس آیات پیش کر دوں تو کیا آپ مان لیں گے؟۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ اگر ایک آیت ہی پیش کر دیں تو مَیں قبول کر لوں گا۔ چنانچہ وہ خوشی خوشی واپس بٹالوی صاحب کے پاس پہنچے اور کہا کہ مَیں مرزا صاحب کو ہرا آیا ہوں، اب مجھے جلدی سے وہ بیس آیات نکال دو۔ یہ سن کر بٹالوی صاحب گھبرا کر کھڑے ہوگئے اور اپنا عمامہ سر سے اُتار کر کہا کہ تُو مرزا کو ہرا کر نہیں آیا، ہمیں ہرا کے آیا ہے، مَیں مدت سے مرزا کو حدیث کی طرف لا رہا ہوں اور وہ مجھے قرآن شریف کی طرف کھینچتا ہے۔ قرآن شریف میں اگر کوئی ایسی آیت ہوتی تو ہم کبھی کی پیش کر دیتے۔

مولوی نظام الدین صاحب نے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے منہ سے یہ بات سنی تو وہاں سے اٹھے اور حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کر کے عرض کی: جدھر قرآن شریف ہے، اُدھر ہی مَیں ہوں۔

امر واقعہ یہی ہے کہ آج ہم میں سے ہر احمدی کے دل کی یہی آواز ہونی چاہئے کہ جدھر قرآن شریف ہے، اُدھر ہی مَیں ہوں۔ اس قول کے ساتھ بلاشبہ فعلی شہادت بھی یہی ہوگی کہ قرآن کی تعلیمات کو اپنی زندگی کے ہر پہلو پر لاگو کر دیا جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے کہ قرآن شریف کے کسی ایک حکم سے روگردانی کرنے والا بھی آپؑ کی جماعت میں شامل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا حقیقی احمدی بننے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم خدمت قرآن کے تمام پہلوؤں کا حق ادا کرنے والے بن جائیں۔

علاج بالمثل ...... ہستی باری تعالیٰ کا ایک نشان

(محمود احمد اشرف)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اٹھارویں صدی کے آخر میں ہومیو پیتھک طریقہ علاج کی ایجاد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے حکم پاکر امام مہدی ہونے کا اعلان فرمایا۔ گویا جس دور میں خدا تعالیٰ نے روحانی نظام کی بنیاد رکھی اسی دور میں جسمانی شفاء کا بھی ایک نیا نظام جاری فرمادیا جس کا تعلق بھی دراصل روحانیت سے ہی ہے"۔

(ہومیو پیتھی یعنی علاج بالمثل جلد اول۔ ایڈیشن اول۔ صفحہ ر)

دنیا میں طرح طرح کی بیماریوں کے ساتھ نہایت متنوع اور وسیع نظام شفاء کا پایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کائنات ایک مدبر بالارادہ ہستی کا ایک عظیم، باترتیب اور ہم آہنگ، منصوبہ ہے۔ تمام زندہ اجسام کے اندر دفاع اور شفاء کا ایک خودکار نظام موجود ہے۔ جسمانی بیماریوں کا نفسیاتی علاج بھی قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ مختلف غذاوں میں مختلف بیماریوں کا علاج پوشیدہ ہے یہاں تک کہ صرف سبزیوں اور پھلوں سے علاج کیا جاتا ہے۔ بظاہر بے کار نظر آنے والی جڑی بوٹیاں اپنے اندر حیرت انگیز شفاء رکھتی ہیں۔ غرضیکہ شفاء کے متعدد نظام موجود ہیں اور جس قدر انسان کو اس کا علم ہو چکا ہے وہ بھی حیرت انگیز طور پر وسیع ہے اور ابھی طب کی دنیا میں نئے نئے انکشافات کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اب بیماریوں کے وجود کو اگر اتفاقی قرار بھی دیا جائے تو کیا اسے بھی ایک اتفاق کہا جائے گا کہ ہر بیماری کے لیے متعدد علاج میسر ہیں۔ اگر یہ سب کچھ اپنی تمام تر تفاصیل کے ساتھ اتفاق ہے تو پھر جامع منصوبہ بندی کسے کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس بات کا انکار کر ہی نہیں سکتا کہ کائنات کے یہ سب مظاہر ایک عظیم اور حسین منصوبے کا حصہ ہیں اور اس ذات کی جانب اشارہ کر رہے ہیں جو منصوبہ ساز ہے اور وہ خدا کی ہستی ہے۔ اس مضمون میں ہمیں خاص طور پر علاج بالمثل کا اس حوالے سے ذکر کرنا ہے کہ یہ بھی ہستی باری تعالیٰ کا ایک نشان ہے۔

ہومیو پیتھک طریق علاج بطور خاص اس زمانے میں انسان کی توجہ کو خدا کی ہستی کی جانب پھیرنے میں معاون ہے۔ اس کی وجہ کو سمجھنے کے لیے ہمیں کسی قدر تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے۔ بات یہ ہے کہ موجودہ سائنسی طرز فکر پر آج کا انسان بڑا نازاں ہے۔ سائنسی طرز فکر کے عظیم مادی فوائد کی بنا پر وہ اس طرز فکر کو اپنے جملہ مسائل کے حل کے لیے کافی سمجھنے لگا ہے۔ ہر وہ چیز جو اس کی عقل یعنی اس مخصوص طرز فکر کے دائرہ میں نہیں آتی وہ اسے ایک وہم سمجھتا ہے اور حقیر گردانتا ہے۔ غیب پر ایمان لانا موجودہ دور کے انسان کے فکری مزاج کے بہت خلاف ہے کیونکہ وہ اپنی عقل پر نازاں ہے۔ اب ہر وہ چیز جو انسانی عقل کی حدود کو واضح کرے اور یہ بتائے کہ عقل بے شمار مقامات پر بے بس اور عاجز ہے وہ آج کے انسان کے لیے بہت کار آمد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آج کا انسان عقل پر اس سے زیادہ بھروسہ کر رہا ہے جتنا کہ اس پر کیا جاسکتا ہے۔ پس اس کی فکر کو متوازن بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے ایسے ٹھوس حقائق کا علم ہو جو اب تک اس کی عقل میں نہ آئے ہوں یعنی سائنس ان کی کوئی تشریح نہ کر سکی ہو۔ ہومیو پیتھک طریق علاج بھی انھیں مظاہر میں سے ایک ہے جو انسانی عقل کی بے بسی کو آشکار کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ عقل جملہ حقائق الاشیاء کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ یہ طریق علاج ایک حقیقت ہے لیکن جدید سائنسی طرز فکر کی حدود سے اب تک باہر ہے۔ مثال کے طور پر ایک ہومیو پیتھک دوائی کو لیبارٹری میں چیک کر کے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی دوا ہے جس کا لیبل باہر لگا ہوا ہے۔ دواء کی طاقت جتنی بلند ہوتی جائے گی، یہ کام اسی قدر مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ مثال کے طور پر سلفر ایک عنصر ہے جس کے بہت سے خواص سائنسی طور پر انسان کے علم میں ہیں لیکن ہومیو پیتھک دواء میں سلفر کے مالیکول اگر ہیں بھی تو جو خواص وہ ظاہر کرتے ہیں موجودہ سائنس ان کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مالیکولز یا ایٹمز کا مادی اثر ہے یا ان سے خارج ہونے والی توانائی اس کا باعث ہے یا ان دونوں کے کچھ نقوش ہیں جو کسی شکل میں باقی رہتے ہیں۔ پھر ہومیو پیتھک کا یہ اصول کہ جیسے جیسے اصل دوا کی مقدار کم ہوتی ہے ویسے ویسے اس کا اثر زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے سائنس کی دنیا میں ایک عجیب بات ہے۔ اسی طرح یہ معمہ کہ یہ دوائی کس طرح انسانی جسم پر اثر انداز ہوتی ہے تاحال لاینحل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مظاہر قدرت اس انسانی عقل پر ہنستے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس کے ساتھ تکبر کی آمیزش ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں آج کا جدید تعلیم یافتہ انسان اگر چاہے تو عجز اختیار کر سکتا ہے۔ اور خدا کی معرفت کا سارا سفر ہی عجز کی سرزمین پر ہوتا ہے۔ اگر اپنی عقل کی برتری کا احساس دامنگیر رہے تو اس ذات اکبر کی نہ ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ اس کی جانب کوئی قدم اٹھنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اگرچہ اور بھی کئی مظاہر ایسے ہیں جن کی وضاحت کرنے سے سائنس قاصر ہے۔ اور اس طرح یہ سب انسانی عقل کی حدود کو واضح کرتے ہیں لیکن ہومیو پیتھک ان میں اس لحاظ سے سب سے بڑھ کر اس لیے ہے کہ اس کے اطلاق کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ لاکھوں ڈاکٹرز اس کے فلسفے کو سمجھ کو استعمال

کر رہے ہے اور ان ڈاکٹرز کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہر روز عوام الناس ہومیوپیتھی سے شفاء کے معجزانہ واقعات دیکھتے ہیں۔ انسانی عقل اس نظام شفاء کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی لاکھوں کروڑوں انسان بیمار، معذور اور لاچار نظر آتے ہیں۔ بے شک اکثر بیماریاں انسانوں کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ ہیں لیکن لاکھوں لوگ بیماریاں اور معذوریاں ساتھ لیکر اس دنیا میں آتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ عدل اور انصاف پر مبنی اس کائنات میں ایسا کیوں ہے۔ اس سوال کے جواب کے کئی پہلو ہیں جن سب کا یہاں ذکر کرنا مقصود نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ خدا نے بیماریوں کے ساتھ ہی ان کا علاج بھی پیدا فرمایا ہے۔ ہومیوپیتھک علاج طریق علاج میں بے شمار قسم کی بیماریوں کا علاج اس قدر باریک تفصیل میں موجود ہے کہ اس کے سرسری مطالعہ سے ہی انسان حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور بہت سی ایسی ذہنی اور جسمانی کیفیات ہیں جنہیں بیماری تصور نہیں کیا جاتا بلکہ یہاں تک کہ ان کی طرف توجہ ہی نہیں کی جاتی۔ مثال کے طور پر ایک آدمی بہت جلدی ذہنی Excitement کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ بظاہر ایک معمولی بات دکھائی دیتی ہے لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس انسان کی زندگی بھر کی ناکامیوں میں اس رویے کا بہت بڑا دخل تھا۔ چنانچہ خدا نے اتنی باریکی میں بھی وہاں وہاں علاج مقرر کر دیا ہے جہاں جہاں انسانی نکتہ نظر سے کوئی انسان احسن تقویم کا منظر پیش نہیں کر رہا۔ ہومیوپیتھی میں بیسیوں ادویات اس ذہنی کیفیت کے تدارک کے لیے موجود ہیں۔ اسی طرح اگر ایک انسان غیر معمولی طور پر کام چور اور نکما ہے تو اس ذہنی یا جسمانی کیفیت کا علاج بھی ہومیوپیتھی میں موجود ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ جو اپنی ماں سے ہر وقت مار کھاتا رہتا ہے صحیح ہومیوپیتھک علاج اسے اس مار سے بچا سکتا ہے۔ یعنی یہ طریق علاج غلط یا بیمار ذہنی رویوں کو بھی درست کر دیتا ہے۔ پس غیر معمولی ذہنی کیفیات تک کا علاج خدا نے نہایت تفصیل سے ہومیوپیتھک طرز علاج میں رکھ دیا ہے۔ ان میں ایسی ذہنی حالتیں بھی ہیں جنھیں مذہب ناپسند کرتا ہے یا گناہ قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر عیب چینی، بدزبانی، لڑائی جھگڑا،

بے رحمی، بزدلی، مایوسی، غرور، بے صبری، جلدبازی، چڑچڑاپن، بے حیائی وغیرہ کو مذہب نے اس حد تک ناپسند کیا ہے کہ انھیں گناہوں میں شمار کرتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ وہ جسمانی یا روحانی امراض ہیں جو انسان کو اس کے حقیقی کمال تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ اب لطف یہ ہے کہ احسن الخالقین نے ان کا علاج بھی پیدا فرما دیا ہے تا کہ اس کا منصوبہ تخلیق پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ چنانچہ ہومیوپیتھی انھیں امراض قرار دیتی ہے اور ان کے لیے متعدد دوائیں تجویز کرتی ہے۔ جس تفصیل سے ہومیوپیتھی ایسی ذہنی، نفسیاتی یا روحانی بیماریوں کا علاج پیش کرتی ہے اس کا عشر عشیر بھی کہیں اور نظر نہیں آتا۔ اس لیے یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ اسلام انسان کو جس جسمانی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے راستے پر چلنے کی تعلیم دیتا ہے اللہ نے اس راہ پر چلنے کے لیے ہومیوپیتھی کو بھی ایک معاون بنایا ہے۔ اس لیے وہ لوگ جو باوجود کوشش کے کسی گناہ کو ترک کرنے پر قادر نہ ہوں، انہیں ضرور چاہیے کہ وہ اس نظام شفاء سے فائدہ اٹھائیں جیسا کہ روحانی امراض کے علاج کی اصولی ہدایت سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی ہوئی ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ہومیوپیتھی کی طرف جو اس قدر توجہ فرمائی وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

وراثت میں ملنے والی بیماریوں کا علاج بالعموم مشکل قرار دیا جاتا ہے اور اسے جینیاتی تبدیلیوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مگر ہومیوپیتھی میں ایسی بیماریوں کا علاج بھی موجود ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کینٹ نے بطور خاص سلیشا کے بیان میں لکھا ہے کہ یہ موروثی بیماریوں کو شفاء دیتی ہے۔ اور درحقیقت تمام موروثی بیماریوں کا ہومیوپیتھی میں اسی طرح علامات کی بنیاد پر علاج کیا جاتا ہے جس طرح دیگر امراض کا کیا جاتا ہے۔

علاوہ اس امر کے کہ ہومیوپیتھی میں بے شمار بیماریوں کا علاج باریک تفاصیل میں موجود ہے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہ ہر اعتبار سے آسان اور عام آدمی کی دسترس میں ہے نیز یہ کہ انسان معمولی سی کوشش سے اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔ بے شک اس دنیا میں ہمیں بیمار، محتاج، لاچار سسکتے ہوئے انسان نظر آتے ہیں لیکن کیا شفاء کے اس وسیع اور آسان نظام کو دیکھ کر انسان اس یقین میں ترقی نہیں کرتا کہ وہ نہ صرف احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس اعلیٰ درجے کی تقویم کو قائم رکھنے کے لیے بھی بہت سے سامان بہم پہنچائے گئے ہیں۔ اس غور کا یہ نتیجہ نکلنا چاہیے کہ یہ کائنات عدل اور انصاف ہی نہیں بلکہ احسان پر مبنی ہے۔ اور دراصل وہی انسان خدا کی طرف قدم بڑھاتا ہے جو یہ یقین رکھتا ہے کہ درحقیقت یہ کائنات مبنی برخیر تنظیم ہے۔ جو شخص اپنے شعور اور لاشعور کی گہرائیوں میں سمجھتا ہے کہ یہ کائنات فساد پر مبنی محض چند سفلی اور عارضی لذتیں اٹھانے کی جگہ ہے وہ کب اور کیسے اس منبع خیر تک پہنچنے کا سوچ سکتا ہے جو خدا ہے۔

ہومیوپیتھک طریق علاج بطور خاص اس لیے بھی خدا کی ہستی کا ایک نشان ہے کہ اس کا بنیادی فلسفہ مذہب کے فلسفہ سے کئی لحاظ سے ہم آہنگ ہے۔ مثال کے طور پر مذہب روح کا اثبات کرتا ہے اگرچہ ساتھ ہی قرآن کریم نے فرمایا کہ روح کے متعلق انسان کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔ ہومیوپیتھی کے فلسفہ کی رو سے انسان کے اندر ایک قوت حیات ہے جو دراصل زندگی کا سرچشمہ ہے اور یہی قوت حیات مادی جسم کو چلاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہومیوپیتھی جس قوت حیات کی بات کرتی ہے وہی وہ روح ہے جسے قرآن کریم نے روح قرار دیا ہے۔ بات صرف یہ کی جا رہی ہے کہ مذہب اور

ہومیوپیتھک فلسفہ اس امر میں متفق ہیں کہ انسان کے جسمانی نظام کے پس منظر میں ایک لطیف طاقت کار فرما ہے جو اصل قوت متحرکہ ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ہانمن ہومیوپیتھی کی بنیادی کتاب آرگنن میں لکھتے ہیں:

"حالت صحت میں انسان کی روحانی قوت حیات

(THE SPIRITUAL VITAL FORCE)

جو مادی جسم کو دراصل زندگی دیتی ہے اور اس کی قوت متحرکہ ہے، پورے طور پر جسم پر حکمرانی کرتی ہے اور اس کے سب حصوں میں ایک حسین توازن پیدا کیے رکھتی ہے"۔

ہومیوپیتھی میں بیماری کی بنیادی وجوہات کی بحث بھی مادہ پرستوں کو دعوت فکر دیتی ہے۔ ہومیوپیتھی چونکہ روح کو وہ اصل قوت تسلیم کرتی ہے جو کہ جسم کو چلاتی ہے اس لیے جسم کی بیماری دراصل اسی بنیادی قوت حیات کا بگاڑ ہے۔ اور عظیم ہومیوپیتھ ڈاکٹر جیمز ٹیلر کینٹ کے نزدیک اس بگاڑ کی ایک وجہ سوچ، ارادے اور اخلاق کا بگاڑ ہے۔ وہ ہومیوپیتھک فلاسفی پر اپنے مشہور لیکچرز میں لکھتے ہیں۔

"جب تک انسان صحیح سوچتا ہے اور اپنے ہمسائے کے لیے اچھا ارادہ رکھتا ہے اور جب تک وہ اخلاقی بلندی اور انصاف پر قائم ہے تب تک انسان زمین پر اس حالت میں جیتا ہے کہ وہ بیماری سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ یہ وہ حالت تھی جس پر اسے پیدا کیا گیا تھا ...... لیکن جب وہ اپنی غلط سوچ کے نتیجہ میں ویسے ہی ارادے باندھنے لگتا ہے تب وہ ایک ایسی حالت کا شکار ہو جاتا ہے جو اس کی اس باطنی کیفیت سے مکمل مطابقت رکھتی ہے"۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کائنات میں جہاں اور بے شمار نشانات ایسے موجود ہیں جو انسان کی توجہ کو اپنے خالق و مالک کی طرف پھیر سکتے ہیں ان میں ایک نشان ہومیوپیتھی کا عظیم الشان نظام شفاء بھی ہے۔ اول اس لیے کہ سائنس اس کی اصل اور ماہیت جاننے سے بالکل قاصر ہے اور یوں یہ سائنسی علم و فکر اور اپنی عقل پر نازاں آج کے انسان کو عجز کا درس دیتی ہے جو راہ سلوک کا پہلا سبق ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ عظیم، لطیف اور نہایت مفصل نظام شفاء اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ بیماریوں کا وجود قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں رہا کہ انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ ہومیوپیتھک فلسفہ بعض پہلوؤں سے مذہب کے بیان کردہ بعض حقائق سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ تینوں امور ایسے ہیں جو آج کے انسان کو اس بات کی دعوت فکر دے سکتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق و

بقیہ از صفحہ ۶:

ارشاد حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ

جیسا کہ اس آیت سے بھی ظاہر ہے اللہ تعالیٰ ہمیں فرما رہا ہے کہ یونہی تکبر کرتے ہوئے نہ پھرو۔ اپنے گال پھلا کر، ایک خاص انداز ہوتا ہے تکبر کرنے والوں کا اور گردن اکڑا اکڑ کر پھرنا اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے سے کم درجہ والوں کے سامنے اکڑ دکھا رہے ہوتے ہیں اور اپنے سے اوپر والے کے سامنے بچھتے چلے جاتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں میں منافقت کی برائی بھی ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ تو یہ تکبر جو ہے بہت سی اخلاقی برائیوں کا باعث بن جاتا ہے اور نیکی میں ترقی کے راستے آہستہ آہستہ بالکل بند ہو جاتے ہیں۔ اور پھر دین سے بھی دور ہو جاتے ہیں، نظام جماعت سے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اور جیسے جیسے ان کا تکبر بڑھتا ہے ویسے ویسے وہ اللہ اور رسول کے قرب سے، اس کے فضلوں سے بھی دُور چلے جاتے ہیں۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ راگست ۲۰۰۳ء)

بقیہ از صفحہ ۱۰:

مدینہ منورہ کی ضیافتیں

مقیم کیا گیا۔ حضرت بلالؓ ان کے لئے صبح و شام کھانا لایا کرتے تھے۔ اسی طرح بیسیوں وفد اور افراد تھے جن کی ضیافت آپؐ کے گھر میں ہوئی۔

یہ چند مثالیں ان بکثرت مثالوں میں سے لی گئی ہیں جن کو تاریخ نے محفوظ کیا ہے۔ حضرت رملۃ بنت الحارثؓ کا نام تاریخ اسلام میں مہمان نوازی کے باب کو ایک روشن مشعل کی طرح روشن کرتا ہے جس سے ہر فردِ اسلام روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ اس میدان میں حضرت حارثۃ بن النعمانؓ اور آپؐ کی مثال اور خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ جن کی وجہ سے امت آپؐ پر درود و سلام بھیجتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ عَلیٰ اَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

ان کے علاوہ بھی مدینہ میں صحابہؓ کے گھروں میں مہمان ٹھہرا کرتے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر بھی ایک مہمان خانہ تھا۔ اسی طرح قبیلہ بنو ازد کا وفد مدینہ آیا تو حضرت فروہ بن عمروؓ کے ہاں مقیم ہوا۔ ۱۰ھ کے اواخر میں نجران سے حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ قبیلہ بنو حارث بن کعب کا وفد مدینہ آیا تو اس کے قیام کا انتظام حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاں کیا گیا۔ چنانچہ بیسیوں کی تعداد میں وفود اور سینکڑوں کی تعداد میں افراد مدینہ آتے تھے۔ ان میں سے بعض طویل قیام بھی کرتے تھے مگر ان سب کی ضیافت کے سامان کئے جاتے تھے۔ مثلاً وفد بنو اشجع ۵ھ میں مدینہ آیا جس میں سو ارکان تھے۔ یمن سے بنو بجیلہ کا ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل وفد مدینہ آیا۔ غزوۂ تبوک کے بعد شام سے بنو الدار قبیلہ کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا۔ یہ وفد دس افراد پر مشتمل تھا۔ اس وفد نے آنحضرت ﷺ کے وصال تک یعنی تقریباً سال بھر مدینہ میں ہی قیام کیا۔ (ابن سعد ذکر الوفود)

قیام نماز

(چوھدری محمد ابراھیم)

اسلام کی تعلیم کا اگر ایک جملہ میں خلاصہ بیان کرنا مقصود ہو تو یوں بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بنی نوع انسان کی ہمدردی۔

خدائے لاشریک کی عبادت کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ قرآن کریم، سنت رسول ﷺ اور احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو سب سے زیادہ تاکید مسلمانوں کو نماز ہی کی کی گئی ہے۔ جگہ جگہ مختلف پیرایوں میں خوشخبری کے طور پر اور وعید کے رنگ میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ بقرہ کی پہلی پانچ آیات میں اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت یافتہ اور فلاح دارین پانے کی جو علامات بیان ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

ا۔ ایمان بالغیب

ب۔ قیام نماز

ج۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دئے گئے رزق کو خرچ کرنا

د۔ جو کچھ آنحضرت ﷺ پر اتارا گیا اس پر ایمان لانا

س۔ حضور ﷺ سے پہلے انبیاء پر جو کچھ اترا تھا اس پر ایمان لانا

ہ۔ یوم آخرت پر ایمان رکھنا۔

متقین کی یہ چھ علامات بیان ہوئی ہیں ان میں سے چار کا تعلق ایمانیات سے ہے اور دو کا تعلق عملی اظہار سے ہے۔ ان دو میں سے ایک یعنی نماز آج میرا موضوع ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ پھر فرمایا: من ترك الصلوة متعمداً فقد کفر کہ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دی اس نے گویا کفر اختیار کر لیا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے"۔ (کشتی نوح)

اس ضمن میں آپؑ مزید فرماتے ہیں:

"نماز کیا چیز ہے؟ وہ دعا ہے جو تسبیح، تحمید، تقدیس اور استغفار اور درود کے ساتھ تضرّع سے مانگی جاتی ہے" (کشتی نوح)

نماز کی ادائیگی کے طریق کے بارہ میں حضورؑ نے فرمایا:

"جب تم نماز پڑھو تو بجز قرآن کے جو خدا کا کلام ہے اور بجز بعض ادعیہ ماثورہ کے کہ وہ رسول ﷺ کا کلام ہے باقی اپنی تمام دعاؤں میں اپنی زبان میں ہی الفاظ متضرعانہ ادا کر لیا کرو تا کہ تمہارے دلوں پر اس عجز و نیاز کا کچھ اثر ہو۔ نماز میں آنے والی بلاؤں کا علاج ہے۔ تم نہیں جانتے کہ نیا دن چڑھنے والا کس قسم کی قضاء و قدر تمہارے لئے لائے گا؟ پس قبل اس کے جو دن چڑھے تم اپنے مولیٰ کی جناب میں تضرع کرو کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے"۔ (کشتی نوح)

قرآن کریم نے جنتیوں اور جہنمیوں کا عجیب رنگ میں نقشہ کھینچا ہے۔ جنت والے لوگ جہنم میں پڑنے والے لوگوں کو دیکھیں گے تو ان سے سوال کریں گے کہ تمہیں کس چیز نے جہنم میں داخل کیا؟ تم دنیا میں کونسے کام کرتے رہے ہو جن کی پاداش میں آج تمہیں دوزخ میں داخل ہونا پڑا ماسلککم فی سقر۔ تو وہ جہنم والے لوگ اپنی بعض دوسری کمزوریوں کے ساتھ بڑی حسرت کے ساتھ جواب دیں گے لم نَكُ من المصلّين کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ عذاب اتنا سخت ہوگا کہ جب انسان بڑی حسرت کے ساتھ خواہش کرے گا کہ کاش میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتا مگر آج کے عذاب سے بچ جاتا۔ وہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جاتا تو وہ اتنی قربانی کرتے کہ نیک لوگوں میں شامل ہو جاتے مگر خدا تعالیٰ فرمائے گا: لَن يُّؤخِّرَ الله نفساً اِذَا جَاء اَجَلُهَا کہ اللہ کسی جان کو جب اس کی مقررہ مدت آ پہنچی ہو ہرگز مہلت نہیں دیگا۔ سمجھدار لوگوں کیلئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ کل جس حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا آج اس کا علاج ان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

انصار اللہ اپنی عمر کے لحاظ سے ایسے دور میں ہیں کہ انہیں نہ صرف اپنے نفوس کا خیال رکھنا ہے بلکہ اپنی اولادوں کو بھی اسی نیکی کے رنگ میں ڈھالنا ہے۔ صرف وہی قومیں اور الٰہی جماعتیں زندہ رہتی ہیں جو اپنی نسلوں کو اعلیٰ تربیت اور اپنے اعلیٰ نمونہ کے نتیجہ میں اپنے نیک ورثہ کی حقدار بناتی ہیں، خود بزرگوں کا رنگ اپنے اوپر چڑھاتی ہیں اور پھر نسلاً بعد نسلٍ اسے منتقل کرتی چلی جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق، احمدیت کا مستقبل روشن ہے ہمیں فکر کرنی ہے تو محض یہ ہے کہ کیا اس روشن مستقبل میں ہم بھی حصہ دار ہونگے؟۔ انصار اللہ کے دورہ جات اور اجلاسات میں جب نماز باجماعت کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو بعض دوست اپنی اولادوں کی طرف سے مایوسی کا اظہار کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ہم کہہ کہہ کر تھک گئے ہیں مگر اثر ہی کوئی نہیں ہوتا۔ ایسے دوست سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ جمعہ فرمودہ 12 جولائی 1988ء کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"اس راہ میں بہت ہی محنت درکار ہے، بہت سے مراحل آتے ہیں جب انسان تھک جاتا ہے، ہمت ہار دیتا ہے، سمجھتا ہے کہ کب تک میں یہ کام کرتا رہوں گا۔ بسا اوقات مہینوں سالوں تک اپنی اولاد کو نصیحت کرتا ہے اور اولاد اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ دل میں سخت درد پیدا

ہوتا ہے کہ میں کیا کروں کس زبان سے ان کو سمجھاؤں کہ عبادت ہی تمہاری زندگی ہے مگر بندہ عاجز ہے بے بس ہے اس کی کوئی پیش نہیں جاتی لیکن یاد رکھیں ایسے موقعوں پر ہرگز مایوس نہیں ہونا اس وقت یاد کریں کہ درحقیقت آپ کا تمام انحصار عاجزانہ دعاؤں پر ہے۔ ایسی صورت میں جب اپنی نصیحت کی ناکامی سے دل میں دکھ محسوس کریں وہ وقت خصوصیت کے ساتھ دعا کا وقت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے بہتوں نے یہ تجربہ کیا ہوگا یا کئی ایسے بھی ہیں جن کو شاید ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ نہ ہؤا ہو اس لئے ان کو بتانے کی خاطر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں نے بارہا اپنی زندگی میں یہ محسوس کیا ہے کہ مایوسی کے وقت مایوسی سے زندگی کا پانی نکلتا ہے۔ اگر آپ دعا کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ جب آپ کی کوششیں بیکار جارہی ہوں، جب کوئی نتیجہ نہ نکل رہا ہو اس وقت اگر آپ خدا کو الحاح کے ساتھ پکاریں، عاجزی اور خشوع کے ساتھ پکاریں تو ان ہی ناکامیوں میں سے مراد کا ایک ایسا چشمہ پھوٹتا ہے جو سلسبیل بن جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے آپ کو زندگی بخشتا ہے"۔

نصیحت کے اثر کے زیر عنوان حضورؒ ایک مثال یہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک احمدی دوست نماز باجماعت کے لئے مسجد جایا کرتے تھے ان کے راستہ میں ایک ایسے احمدی دوست تھے جو نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ دوست جاتی دفعہ ان کی کنڈی کھٹکھٹایا کرتے تھے کہ بھائی صاحب! نماز کا وقت ہوگیا ہے ان کے مسلسل اس عمل اور نصیحت کے نتیجہ میں وہ مسجد جانا شروع نہیں ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ ناصح دوست اس جماعت سے ہجرت کر کے کسی اور جگہ چلے گئے۔ ایک وقفہ کے بعد وہ ایک دن پھر اس جماعت میں آئے اور صبح کی نماز پڑھنے کے لئے اس مسجد میں تشریف لے گئے۔ سردی کا موسم ہے اور بارش کا سماں۔ مسجد جا کر اس دوست نے دیکھا کہ ایک اور دوست کمبل اوڑھے ہوئے سنتوں کی ادائیگی میں مصروف ہیں۔ بارش تیز ہوگئی کسی اور دوست کے آنے کی امید نہ رہی تو اس دوست نے اپنے دوسرے نمازی سے کہا کہ بھائی آئیں نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے نماز پڑھ لیں۔ جب وہ نمازی ان کے نزدیک آئے تو ان کی یہ دیکھ کر حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ یہ وہی دوست تھے جن کی مسلسل ایک عرصہ تک وہ کنڈی کھٹکھٹاتے رہے مگر ان کو مسجد آنے کی توفیق نہیں مل سکی۔ اس نمازی نے بڑے شکریہ کے انداز میں ان سے بیان کیا کہ جب آپ کنڈی کھٹکھٹاتے تھے تو مجھ پر اثر ہوتا تھا مگر میں نماز کی توفیق نہ پاسکا۔ جب آپ چلے گئے اور ہماری کنڈی کھٹکنی بند ہوگئی تو میرے دل پر ایک چوٹ سی لگی کہ تو کس قدر بدقسمت انسان ہے کہ ایک نیک انسان کی نصیحت پر عمل نہ کرسکا۔ چنانچہ اس دن سے میں نے ارادہ باندھ لیا کہ اب کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا۔ الحمد للہ میں اب نماز کی ادائیگی کی توفیق پارہا ہوں۔

گزشتہ سال جب شوریٰ مجلس انصار اللہ یوکے کے فیصلہ جات بغرض توثیق سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پیش ہوئے تو حضور کی طرف سے مکرم صدر صاحب مجلس انصار اللہ یوکے (چوہدری وسیم احمد صاحب) کے نام باجماعت نماز کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل ارشاد موصول ہوا:

"انصار اللہ کی ہر مقامی مجلس کے ذمہ یہ کام لگائیں کہ وہ انصار اور ان کے ذریعہ گھر گھر میں نمازوں کی ادائیگی کی طرف توجہ دلانے اور اس کی نگرانی رکھنے کا کام کریں اور ہر تین ماہ بعد جائزہ لے کر رپورٹ دیا کریں کہ کون کون ہیں جو نمازوں کی ادائیگی کے لئے نہیں آتے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ پھر عاملہ کے ذریعہ رابطہ ہونا چاہیے اور انہیں گھر گھر جاکر توجہ دلانی چاہیے کہ ہر حال میں وہ نمازوں کی ادائیگی کیا کریں ورنہ ان کی اولادوں کی روحانی زندگیوں کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔"

نمازوں اور جمعہ کی ادئیگی کیلئے یاددہانی پر بعض اوقات کچھ دوستوں کی طرف سے یہ عذر بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جی! کام پر ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے روزی کمانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا ہے مگر یہ کام نماز کی ادائیگی میں روک نہیں بننا چاہیئے۔ کام اور نماز میں سے اوّلیت نماز کو ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ

"کام کے لئے نماز کو نہ چھوڑو، اگر نماز کیلئے کام کو چھوڑنا پڑے تو بیشک چھوڑ دو۔"

(29. اپریل 2005ء بمقام مسجد احمدیہ نیروبی کینیا مشرقی افریقہ)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو کماحقہ نماز ادا کرنے کی توفیق بخشے نہ صرف ہم کو بلکہ ہماری اولادوں کو بھی اسی رنگ میں رنگین کرے ہم اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والے اور اس کے سایہ عافیت میں اپنی زندگی کے دن گزارنے والے ہوں۔ احمدیت کی بقا اسی میں مضمر ہے۔

کیا آپ نے زعیم حلقہ کو "انصارالدین" کا سالانہ چندہ پانچ پاؤنڈ ادا کر دیا ہے؟

حقیقتِ جہاد

(ڈاکٹر شمیم احمد)

اسلام کے آغاز میں مسلمانوں کو خدائے واحد پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کے جرم میں مسلسل ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ کوئی بے رحمانہ سلوک ایسا نہ تھا جو ان سے روا نہ رکھا گیا۔ انہیں جسمانی و ذہنی عذاب سے دوچار کیا گیا اور بعضوں کو بے حد سفاکی کے ساتھ قتل کر دیا گیا جس کی تفصیل سے آج بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک دو سال نہیں بلکہ لگاتار تیرہ سال انہیں ہر قسم کا عذاب دیا گیا مگر وہ صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرتے رہے کیونکہ انہیں اسی کی تعلیم دی گئی تھی۔ قریب تھا کہ اسلام نیست و نابود ہو جاتا اور اس کا نام و نشان مٹ جاتا کہ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے مدافعت کے رنگ میں مقابلہ کی اجازت دی۔ جہاد بالسیف کی اجازت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وہ لوگ جن سے جنگ کی جارہی ہے ان کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جن کو ان کے گھروں سے صرف ان کے اتنا کہنے پر کہ اللہ ہمارا ربّ ہے بغیر کسی جائز وجہ کے نکالا گیا اور اگر اللہ ان (یعنی کفار) میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ (شرارت سے) باز نہ رکھتا تو گرجے اور یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے برباد کر دیئے جاتے اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ اللہ یقیناً بہت طاقتور اور غالب ہے۔ (سورۃ الحج 41-40)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت صرف اس لئے دی گئی تھی کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔ گویا خدائے واحد پر ایمان لانے کی وجہ سے ان پر مظالم توڑے گئے اور اسی وجہ سے دشمن انہیں بزورِ شمشیر مٹانا چاہتا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کو خود حفاظتی اور دفاع کے لئے مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ اسلام کے دورِ اوّل میں جتنی جنگیں لڑنی پڑیں وہ دفاعی جنگیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے جنگوں کے اصول و ضوابط کے سلسلہ میں جو ہدایات وقتاً فوقتاً جاری فرمائیں ان کا مطالعہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صلح، نرمی اور رحم کا عنصر غالب رہتا تھا۔ جنگی قیدیوں سے جو سلوک رحمۃ العالمین ﷺ نے فرمایا اس میں عفو کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر جو حسین سلوک جانی دشمنوں کے ساتھ فرمایا اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

آپؐ کے جہاد کا مقصد بنی نوع انسان کی اصلاح اور انہیں توحید کی طرف بلانا تھا۔ بد قسمتی سے بعض مسلمانوں نے جہاد کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے دہشت گردی، خون ریزی اور بے گناہوں کے قتل کو جہاد کا نام دے رکھا ہے جو اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے اور بانیٔ اسلام کے اسوہ حسنہ کے برعکس ہے۔ اسلام نے کبھی بھی فتنہ و فساد اور بے گناہوں کے قتل کی تعلیم نہیں دی بلکہ اسلام کی غرض ہی صلح اور امن ہے۔ جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے اور جہاد اور تخریب کاری میں کیا فرق ہے اس کی وضاحت کے لئے امام الزمان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تفصیل سے اسلام کی خوبصورت تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس حوالہ سے آپؑ کے روحانی خزائن میں سے چند اقتباسات پیش ہیں۔

جہاد کی فلاسفی:

اسلام کے دورِ اوّل میں جہاد کی ضرورت کیوں پڑی نیز جہاد کی فلاسفی کو بیان کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"جہاد کے مسئلہ کی فلاسفی اور اس کی اصل حقیقت ایسا ایک پیچیدہ امر اور دقیق نکتہ ہے کہ جس کے نہ سمجھنے کے باعث سے اس زمانہ اور ایسا ہی درمیانی زمانہ کے لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائی ہیں۔ اور ہمیں نہایت شرم زدہ ہو کر قبول کرنا پڑتا ہے کہ ان خطرناک غلطیوں کی وجہ سے اسلام کے مخالفوں کو موقعہ ملا کہ وہ اسلام جیسے پاک مقدس مذہب کو جو سراسر قانون قدرت کا آئینہ اور زندہ خدا کا جلال ظاہر کرنے والا ہے مورد اعتراض ٹھہراتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جہاد کا لفظ جُہد کے لفظ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ہیں کوشش کرنا اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا۔ اسلام کو جہاد کی کیوں ضرورت پڑی اور جہاد کیا چیز ہے۔ سو واضح ہو کہ اسلام کو پیدا ہوتے ہی بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور تمام قومیں اس کی دشمن ہو گئی تھیں۔ جیسا کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ جب ایک نبی یا رسول خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور اس کا فرقہ لوگوں کو ایک گروہ ہونہار اور راستباز اور باہمت اور ترقی کرنے والا دکھائی دیتا ہے تو اس کی نسبت موجود قوموں اور فرقوں کے دلوں میں ضرور ایک قسم کا بغض اور حسد پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ بالخصوص ہر ایک مذہب کے علماء اور گدی نشین تو بہت ہی بغض ظاہر کرتے ہیں۔ اور سراسر نفس کے تابع ہو کر ضرر رسانی کے منصوبے سوچتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات وہ اپنے دلوں میں محسوس بھی کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ایک پاک دل بندہ کو ناحق ایذا پہنچا کر خدا کے غضب کے نیچے آگئے ہیں وہ ان کے اعمال جو بھی مخالف کارستانیوں کے لئے ہر وقت اُن سے سرزد ہوتے رہتے ہیں ان کے دل کی قصوروار حالت کو اُن پر ظاہر کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی حسد کی آگ کا تیز انجن عداوت کے گڑھوں کی طرف ان کو کھینچے لئے جاتا ہے۔ یہی اسباب تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے وقت میں مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کو نہ محض حق کے قبول کرنے سے محروم رکھا بلکہ سخت عداوت پر آمادہ کر دیا۔ لہٰذا وہ اس فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح اسلام کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیں۔ اور چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے تھے اس لئے ان کے مخالفوں نے بباعث اس تکبر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دل اور دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے جو اپنے تئیں دولت میں مال میں کثرتِ جماعت میں عزت اور مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں اس وقت کے مسلمانوں یعنی صحابہ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودہ زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے

ناخنوں تک زور لگا رہے تھے۔ اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اُٹھا نہیں رکھا تھا اور اُن کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پَیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کو موجب ہو جائے۔ سو اسی خوف سے جو اُن کے دلوں میں ایک رُعبناک صورت میں بیٹھ گیا تھا نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں اُن سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی اُن کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوعِ انسان کے فخر اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ اُن برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا۔ اُن کے خونوں سے کوچے سرخ ہو گئے پر انہوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا۔ تب اس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اُس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اُس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں۔ اور مَیں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا۔ اور اس حکم کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں اب تک موجود ہے یہ ہے: اُذِنَ للذین یقاتلون بانّھم ظُلِمُوْا وَ ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر. الذین اخرجو من دیارھم بغیر حق۔ یعنی خدا نے ان مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے فریاد سن لی اور ان کو مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ اور خدا قادر ہے جو مظلوم کی مدد کرے"۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ 3 تا 7)

جاہل مولویوں کی غلط تعلیم:

بدقسمتی سے مسلمان علماء نے جہاد کی حقیقت کو نہ سمجھا اور نہ ہی اس کی فلاسفی پر کبھی غور کیا اور نہ ہی رحمۃ العالمین ﷺ کی تعلیم اور سنت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اپنی کم علمی اور نفسانی اغراض کی وجہ سے مسلمانوں کو غلط تعلیم دیتے رہے اور بجائے باعثِ رحمت ہونے کے کئی بے گناہوں کے خون کے مرتکب ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جاہل مولویوں نے خدا اُن کو ہدایت دے عوام کالانعام کو بڑے دھوکے دیئے ہیں اور بہشت کی کنجی اسی عمل کو قرار دے دیا ہے جو صریح ظلم اور بے رحمی اور انسانی اخلاق کے برخلاف ہے۔ کیا یہ نیک کام ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنے خیال میں بازار میں چلا جاتا ہے اور ہم اس قدر اس سے بے تعلق ہیں کہ نام تک بھی نہیں جانتے اور نہ وہ ہمیں جانتا ہے مگر تاہم ہم نے اُس کے قتل کرنے کے ارادہ سے ایک پستول اس پر چھوڑ دیا ہے۔ کیا یہی دینداری ہے؟ اگر یہ کچھ نیکی کا کام ہے تو پھر درندے ایسی نیکی کے بجالانے میں انسانوں سے بڑھ کر ہیں۔ سبحان اللہ! وہ لوگ کیسے راستباز اور نبیوں کی رُوح اپنے اندر رکھتے تھے کہ جب خدا نے مکہ میں ان کو یہ حکم دیا کہ بدی کا مقابلہ مت کرو اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ۔ پس وہ اس حکم کو پاکر شیر خوار بچوں کی طرح عاجز کمزور بن گئے ....افسوس کا مقام ہے اور شرم کی جگہ ہے کہ ایک شخص جس سے ہماری کچھ سابق دشمنی بھی نہیں بلکہ روشناسی بھی نہیں وہ کسی دوکان پر اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز خرید رہا ہے یا اپنے کسی اور جائز کام میں مشغول ہے۔ اور ہم نے بے وجہ بے تعلق اس پر پستول چلا کر ایک دم میں اس کی بیوی کو بیوہ اور اس کے بچوں کو یتیم اور اس کے گھر کو ماتم کدہ بنا دیا۔ یہ طریق کس حدیث میں لکھا ہے یا کس آیت میں مرقوم ہے؟ کوئی مولوی ہے جو اس کا جواب دے! نادانوں نے جہاد کا نام سن لیا ہے اور پھر اس بہانہ سے اپنی نفسانی اغراض کو پورا کرنا چاہا ہے یا محض دیوانگی کے طور پر مرتکب خونریزی کے ہوئے ہیں"۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ 11-13)

"یاد رہے کہ مسئلہ جہاد کو جس طرح پر حال کے اسلامی علماء نے جو مولوی کہلاتے ہیں سمجھ رکھا ہے اور جس طرح وہ عوام کے آگے اس مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہیں ہرگز وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ لوگ اپنے پُرجوش وعظوں سے عوام وحشی صفات کو ایک درندہ صفت بنا دیں۔ اور انسانیت کی تمام پاک خوبیوں سے بے نصیب کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ جس قدر ایسے ناحق کے خون اُن نادان اور نفسانی انسانوں سے ہوتے ہیں کہ جو اس راز میں بے خبر ہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے اسلام کو اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑائیوں کی ضرورت پڑی تھی۔ ان سب کا گناہ ان مولویوں کی گردن پر ہے کہ جو پوشیدہ طور پر ایسے مسئلے سکھاتے رہتے ہیں جن کا نتیجہ دردناک خونریزیاں ہیں۔ یہ لوگ جب حکامِ وقت کو ملتے ہیں تو اس قدر سلام کے لئے جھکتے ہیں کہ گویا سجدہ کرنے کے لئے تیار ہیں اور جب اپنے ہم جنسوں کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو بار بار اصرار ان کا اسی بات پر ہوتا ہے کہ یہ ملک دارالحرب ہے اور اپنے دلوں میں جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور تھوڑے ہیں جو اس خیال کے انسان نہیں ہیں۔ یہ لوگ اس عقیدہ جہاد پر جو سراسر غلط اور قرآن اور حدیث کے برخلاف ہے اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانتا ہو اور اس کے برخلاف ہو اس کا نام دجال رکھتے ہیں اور واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مدت سے اسی فتویٰ کے نیچے ہوں۔" (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ 7)

اسلام جبر کے خلاف ہے:

اسلام میں کبھی بھی جبر کی تعلیم نہیں دی گئی نہ اسلام قبول کرنے کے لئے اور نہ اپنی کسی بات کو منوانے کے لئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی ساری

زندگی تشدد کے خلاف علمِ بلند کرتے گذری ہے۔ آپ کا اسوہ حسنہ تو یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آپؐ سارے عرب کے بادشاہ تھے کفار کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ملک میں رہ سکتے ہیں۔ آپ کی تعلیم اور سنت کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اسلام نے صرف ان لوگوں کے مقابل پر تلوار اُٹھانا حکم فرمایا ہے کہ جو اوّل آپ تلوار اٹھائیں اور انھیں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جو اوّل آپ قتل کریں۔ یہ حکم ہرگز نہیں دیا کہ تم ایک کافر بادشاہ کے تحت میں ہو کر اور اس کے عدل اور انصاف سے فائدہ اُٹھا کر پھر اسی پر باغیانہ حملہ کرو۔ قرآن کے رُو سے یہ بدمعاشوں کا طریق ہے نہ نیکوں کا۔ لیکن توریت نے یہ فرق کسی جگہ کھول کر بیان نہیں فرمایا اس سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف اپنے جلالی اور جمالی احکام میں اس خط مستقیم عدل اور انصاف اور رحم اور احسان پر چلتا ہے جس کی نظیر دنیا میں کسی کتاب میں موجود نہیں مگر اندھے دشمن پھر بھی اعتراض کرتے ہیں کیونکہ اُن کی فطرت روشنی سے عداوت اور ظلمت سے محبت رکھتی ہے۔" (انجام آتھم صفحہ 37-38)

"میں نہیں جانتا کہ ہمارے مخالفوں نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ خدا تو قرآن شریف میں فرماتا ہے: لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین اسلام میں جبر نہیں۔ تو پھر کس نے جبر کا حکم دیا اور جبر کے کونسے سامان تھے۔ اور کیا وہ لوگ جو جبر سے مسلمان کئے جاتے ہیں اُن کا یہی صدق اور یہی ایمان ہوتا ہے کہ بغیر کسی تنخواہ پانے کے، باوجود دو تین سو آدمی ہونے کے ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کریں اور جب ہزار تک پہنچ جائیں تو کئی لاکھ دشمن کو شکست دیدیں اور دین کو دشمن کے حملہ سے بچانے کیلئے بھیڑوں بکریوں کی طرح سر کٹادیں اور اسلام کی سچائی پر اپنے خون سے مہریں کردیں۔ اور خدا کی توحید کے پھیلانے کیلئے ایسے عاشق ہوں کہ درویشانہ طور پر تختی اُٹھا کر افریقہ کے ریگستان تک پہنچیں اور اس ملک میں اسلام کو پھیلاویں۔ اور پھر ہر یک قسم کی صعوبت اُٹھا کر چین تک پہنچیں نہ جنگ کے طور پر بلکہ محض درویشانہ طور پر۔ اور اس ملک میں پہنچ کر دعوتِ اسلام کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے بابرکت وعظ سے کئی کروڑ مسلمان اس زمین میں پیدا ہو جائیں۔ اور پھر ٹاٹ پوش درویشوں کے رنگ میں ہندوستان میں آئیں۔ اور بہت سے حصہ آریہ ورت کو اسلام سے مشرف کردیں اور یورپ کی حدود تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی آواز پہنچادیں۔ تم ایماناً کہو کہ کیا یہ کام اُن لوگوں کا ہے جو جبراً مسلمان کئے جاتے ہیں جن کا دل کافر اور زبان مومن ہوتی ہے؟ نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کے کام ہیں جن کے دل نورِ ایمان سے بھر جاتے ہیں اور جن کے دِلوں میں خدا ہی خدا ہوتا ہے۔" (پیغام صلح صفحہ 468-469)

"تمام سچے مسلمان جو دنیا میں گذرے کبھی ان کا یہ عقیدہ نہیں ہوا کہ اسلام کو تلوار سے پھیلانا چاہیے بلکہ ہمیشہ اسلام اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے دنیا میں پھیلا ہے۔ پس جو لوگ مسلمان کہلا کر صرف یہی بات جانتے ہیں کہ اسلام کو تلوار سے پھیلانا چاہئیے وہ اسلام کی ذاتی خوبیوں کے معترف نہیں ہیں اور انکی کارروائی درندوں کی کارروائی سے مشابہ ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ۔ 167)

خون ریزی اور تخریب کاری سے پرہیز کرو:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ آخری زمانے میں تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"اے اسلام کے عالمو اور مولویو! میری بات سنو! میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب جہاد کا وقت نہیں ہے۔ خدا کے پاک نبی کے نافرمان مت بنو۔ مسیح موعود جو آنے والا تھا آچکا۔ اور اُس نے حکم بھی دیا کہ آئندہ مذہبی جنگوں سے جو تلوار اور کشت و خون کے ساتھ ہوتی ہیں باز آجاؤ تو اب بھی خونریزی سے باز نہ آنا اور ایسے وعظوں سے مونہہ بند نہ کرنا طریق اسلام نہیں ہے جس نے مجھے قبول کیا ہے وہ نہ صرف ان وعظوں سے مونہہ بند کرے گا بلکہ اس طریق کو نہایت برا اور موجب غضبِ الٰہی جانے گا۔" (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ 8-9)

"دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔ اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی۔ بلکہ خدا کا یہی ارادہ ہے۔ صحیح بخاری کی اُس حدیث کو سوچو جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ یضع الحرب یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ سو میں حکم دیتا ہوں کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ ان خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں۔ دلوں کو پاک کریں اور اپنے انسانی رحم کو ترقی دیں اور دردمندوں کے ہمدرد بنیں۔ زمین پر صلح پھیلادیں کہ اس سے ان کا دین پھیلے گا اور اس سے تعجب مت کریں کہ ایسا کیونکر ہوگا۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے بغیر توسط معمولی اسباب کے جسمانی ضرورتوں کے لئے حال کی نئی ایجادوں میں زمین کے عناصر اور زمین کی تمام چیزوں سے کام لیا ہے اور ریل گاڑیوں کو گھوڑوں سے بھی بہت زیادہ دوڑا کر دکھلایا ہے ایسا ہی اب وہ رُوحانی ضرورتوں کے لئے بغیر توسط انسانی ہاتھوں کے آسمان کے فرشتوں سے کام لے گا۔ بڑے بڑے آسمانی نشان ظاہر ہونگے۔ اور بہت سی چمکیں پیدا ہونگی جن سے بہت سی آنکھیں کھل جائیں گی۔" (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ 5)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو ناپاک عادتوں سے بچنے اور بغضوں اور کینوں سے پاک رہنے کی تعلیم دی ہے اور شر سے پرہیز اور بنی نوعِ انسان کی ہمدردی سکھلائی ہے۔ سب پر رحم کرنے کی تعلیم دی ہے تاکہ آسمان سے خدا تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ نیز فرمایا کہ اس زمانہ میں ایک اور قسم کے جہاد کی ضرورت ہے۔ ایک تو اپنے نفس کے جہاد کی ضرورت ہے جسے رسول اللہ نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے یعنی اپنے نفس کی اصلاح کرنے کی کوشش جاری رکھی جائے۔ دوسرے یہ کہ اسلام کی حسین تعلیم سے دنیا کو روشناس کرایا جائے، مخالفوں کے الزامات کا جواب احسن طریق پر دیا جائے اور دین متین کی خوبیاں دنیا میں پھیلائی جائیں تاکہ ساری دنیا آنحضرت ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو جائے۔ یہی وہ جہادِ اکبر ہے جس پر حضرت مسیح موعودؑ ساری عمر کاربند رہے اور آپکی جماعت آپؑ کے بعد ساری دنیا میں اس جہاد میں مصروف ہے۔

انصار ڈائجسٹ

محمود احمد ملک

اس کالم میں قارئین کی طرف سے موصول شدہ دلچسپ تحریرات اور مفید واقعات شامل اشاعت کئے جائیں گے جو قارئین خود لکھنا پسند فرمائیں یا اپنے زیر مطالعہ کسی کتاب یا رسالہ سے اخذ کرکے بھجوائیں۔ تحریر مختصر اور بحوالہ ہونی چاھئے۔ ھمارا پتہ ھے:

Ansar Digest, 22 Deer Park Road, London SW19 3TL. e-mail: ansar_digest@yahoo.co.uk

گراہم بیل کی ایجاد...... مشکوک

لندن میں قائم سائنس میوزیم کی فائلوں سے دستیاب ہونے والے بعض شواہد کی بناء پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے ایک جرمن سائنسدان نے الیگزینڈر گراہم بیل سے ۱۵؍سال پہلے ہی ٹیلی فون ایجاد کر لیا تھا۔ لیکن سکاٹ لینڈ کے باشندے گراہم بیل کی شہرت کو قائم رکھنے کی خاطر جرمنی میں ۱۸۶۳ء میں تیار ہونے والے آلے کے کامیاب تجربات کو منظرعام پر نہیں آنے دیا گیا۔ چنانچہ جرمن سائنسدان فلپ رئیس نے جو ٹیلی فون ایجاد کیا تھا وہ آواز نہ صرف دوسری طرف بھیج سکتا تھا بلکہ وصول بھی کر سکتا تھا۔ لیکن برطانوی تاجر سر فرینک گل (جو سٹینڈرڈ ٹیلی فونز کیبلز کے چیئرمین تھے) نے جرمن فلپ رئیس کے کام کو اس لئے نظرانداز کیا تاکہ امریکن ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کمپنی سے ایک ٹھیکہ حاصل کرنے کی اُن کی کوشش میں جرمن سائنسدان کی ایجاد سامنے آنے کی صورت میں کوئی رخنہ نہ پڑ جائے۔

....

دایاں یا بایاں...... پیدائش سے پہلے

بیلفاسٹ کوینز یونیورسٹی کی ایک ٹیم کی کئی سال کی تحقیق میں اس سابقہ خیال کو غلط ثابت کیا گیا ہے کہ بچے کا دائیں یا بائیں ہاتھ کے استعمال کا رجحان کم از کم تین سال کی عمر میں شروع ہوتا ہے۔ رسالہ "نیوسائنٹسٹ" میں شائع ہونے والی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ماں کے پیٹ میں دس ہفتے کے بچے میں جس ہاتھ کو استعمال کرنے کا رجحان ہوگا وہی ہاتھ وہ ساری عمر استعمال کرے گا۔

تحقیق کے ایک مرحلے میں ٹیم نے ساٹھ بچوں کو پیدائش سے پہلے دائیں اور پندرہ کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے چوستے دیکھا۔ دس سے بارہ سال کی عمر میں پتہ چلا کہ دایاں انگوٹھا چوسنے والے ساٹھ بچے دایاں ہاتھ استعمال کر رہے تھے جبکہ بایاں انگوٹھا چوسنے والوں میں سے بھی دو تہائی دایاں ہاتھ استعمال کر رہے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پندرہ ہفتے کے دس میں سے نو بچے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے چوسنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح دس ہفتے کے بچوں میں دیکھا گیا کہ وہ بائیں کی نسبت دایاں بازو زیادہ ہلاتے ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ انسان میں ہاتھوں کے استعمال کا رجحان دماغ کی نشوونما سے ہے۔ لیکن پیدائش سے پہلے بچوں کی حرکات شاید پٹھے یا ریڑھ کی ہڈی کی رگیں کنٹرول کرتی ہیں۔

....

موجودہ چین میں اسلام

عربی اخبار "الشرق الوسط" لندن نے چین میں مسلمانوں کے سرکاری ادارہ اسلامک ایسوسی ایشن آف چائنا کے ڈپٹی ڈائریکٹر مصطفیٰ یانگ سے چین میں مسلمانوں کے معاملات پر گفتگو گذشتہ سال شائع کی۔ انہوں نے بتایا کہ چین میں اسلام کی آمد کے بارہ میں کئی روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سوئی حکمرانوں کی دعوت پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ چالیس افراد کے ہمراہ چین پہنچے۔ وہ چین کے شہر کانٹن میں مقیم رہے اور وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ چین میں اسلام عربوں اور مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات کے ذریعہ پھیلا جو تجارت کی غرض سے چین آئے، کچھ وہاں بس گئے اور شادیاں کرلیں۔

چین میں چار اہم مذہب ہیں: اسلام، کیتھولک، بدھ اور کنفیوشس ازم۔ اکثریت بدھ مذہب کی پیروکار ہے۔ اسلام دوسرا بڑا مذہب ہے۔ چین میں قریباً بیس ملین مسلمان ہیں جن کی زیادہ تعداد حنفی ہے۔ قریباً ۴۵ ہزار مساجد اور تقریباً ۵۰ ہزار امام ہیں۔ امام کی سربراہی میں ہر مسجد کی انتظامیہ ہوتی ہے جسے چینی حکومت اور دیگر عالمی مسلم تنظیموں کی طرف سے بڑی تعداد میں فنڈ ملتے ہیں۔

....

موٹاپا کم کرنے کے منصوبہ کی مخالفت

موٹاپا اب صرف امیر ممالک کا مسئلہ نہیں رہا ہے بلکہ ترقی پذیر ممالک میں بھی لوگ تیزی سے اس کا شکار ہو رہے ہیں جن میں بڑی تعداد بچوں کی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق دنیا بھر میں کم از کم تین سو ملین افراد خطرناک حد تک موٹاپے کا شکار ہیں۔ موٹاپے کے باعث کئی ایسی بیماریاں بھی جان لیوا ثابت ہو سکتی ہیں جن کا بصورت دیگر علاج ممکن ہے۔ عالمی ادارہ صحت چاہتا ہے کہ اس مسئلہ سے حکومتی سطح پر نمٹا جائے اور حکومتیں لوگوں کو ایک صحت مند طرز زندگی فراہم کرتے ہوئے اشیائے خورونوش تیار کرنے والی کمپنیوں کو شوگر اور موٹا کرنے والے اجزاء کو کم کرنے پر مجبور کریں۔ گزشتہ سال جنیوا میں عالمی ادارہ صحت کے اجلاس میں اس پروگرام کے لئے برطانیہ، فرانس اور کینیڈا کی حمایت کے باوجود امریکی مندوب نے اس کی منظوری کو یہ کہہ کر ملتوی کروادیا کہ یہ فیصلہ کرنا کہ کیا کھایا جائے اور کیا نہیں، لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے۔

....

دو بیماریوں کی ایک دوا

ایک فرانسیسی دواساز کمپنی نے ایسی دوا تیار کرنے کا دعویٰ کیا ہے جو بیک وقت لوگوں کو موٹاپا کم کرنے اور سگریٹ چھوڑنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ رمونابنٹ نام کی یہ گولی دماغ کے ایسے نظام کو کام کرنے سے روکے گی جو لوگوں میں سگریٹ اور بھوک کی اشتہاء پیدا کرتا ہے۔ یہ دونوں دنیا بھر میں لوگوں کی موت کا دوسرا بڑا سبب بن رہے ہیں۔

ایک ہزار افراد پر کئے جانے والے تجربات سے

پتہ چلا ہے کہ اس گولی کی مدد سے سال بھر میں نو کلو وزن کم کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ دوا کا استعمال تو اپنی جگہ لیکن یہ دونوں خواص کنٹرول کرنے کے لئے متوازن طریقہ زندگی ضروری ہے۔

آئرلینڈ "دنیا کا بہترین ملک"

جریدہ "دی اکانومسٹ" کے ایک سروے کے مطابق آئرلینڈ کو دنیا میں رہائش کے لئے بہترین جگہ قرار دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ وہاں کی بہتر ہوتی ہوئی اقتصادی صورتحال اور روایتی اقدار کا احترام ہے۔ خوشحال زندگی گزارنے کے لئے دوسری بہترین جگہ سوئٹزرلینڈ اور تیسری ناروے ہے۔ بہرحال سروے کے مطابق پہلے دس بہترین مقامات یورپ میں ہیں۔

سروے میں محققین نے روزگار کے امکانات کے ساتھ جن دیگر عوامل کو سامنے رکھا ان میں صحت، شخصی آزادی، خاندانی زندگی، موسم، سیاسی استحکام، صنفی مساوات اور معاشی ہم آہنگی شامل ہیں۔

سروے میں امریکہ کا نمبر تیرھواں ہے جبکہ فرانس، جرمنی اور برطانیہ بالترتیب ۲۵ویں، ۲۶ویں اور ۲۹ویں نمبر پر ہیں۔ محققین کا کہنا تھا کہ برطانیہ میں لوگوں کی ماہانہ آمدنی زیادہ ہے لیکن یہاں سماجی اور خاندانی ڈھانچے کی ٹوٹ پھوٹ بہت زیادہ ہے۔

اٹلانٹس...... قبرص کے سمندر میں

امریکی تحقیقاتی ٹیم کے مطابق غرق شدہ جزیرہ اٹلانٹس قبرص کے ساحل کے قریب ہی تھا۔ ٹیم نے سونار ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے چھ دن تک قبرص اور شام کے درمیان بحیرہ روم کے سمندر کا جائزہ لیا اور بتایا کہ انہیں سمندر کی تہہ کے نیچے انسانی ہاتھوں سے بنے ہوئے بڑے بڑے ڈھانچے ملے ہیں جن میں پہاڑی پر واقع ایک دو کلومیٹر لمبی دیوار بھی شامل ہے۔ اور یہ کہ ان کی نئی دریافت مشہور مفکر افلاطون کے بیان کئے گئے گمشدہ شہر کے خاکے سے کافی مماثلت رکھتی ہے۔ دو ہزار سال پہلے افلاطون نے غالباً اٹلانٹس کے بارہ میں ہی لکھا تھا کہ ایک ایسا شہر دنیا میں موجود تھا جو زرخیز، تہذیب و تمدن اور قدرتی حسن سے مالامال تھا۔

فرعون کی موت کا معمہ

مصر میں طوطن خامن نامی فرعون کی حنوط شدہ لاش کے تجزیوں سے یہ پتہ لگانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ تین ہزار سال قبل اس نوجوان بادشاہ کی موت کی وجہ کوئی بیماری تھی یا اُسے قتل کیا گیا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں دریافت کی جانے والی اس لاش کو مزید تجزیہ کیلئے گزشتہ سال نومبر میں اُس کے مقبرہ سے قاہرہ منتقل کیا گیا تاکہ فرعون کی اصل عمر، اس کے جسمانی زخموں اور لاحق بیماریوں کا پتہ لگایا جاسکے۔

جب پہلی بار اس لاش کا کفن کھولا گیا تھا تب ایکسرے سے کھوپڑی کی چٹخی ہوئی ہڈی کا پتہ چلا تھا جس پر خیال ظاہر کیا گیا کہ اس نوجوان فرعون کو قتل کیا گیا تھا۔ لیکن بعض دیگر شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکپن میں وفات پانے والا یہ فرعون بیمار تھا۔

ذیابیطس میں اضافہ کا خطرہ

عالمی ادارہ صحت کے مطابق دنیا بھر میں بچوں میں موٹاپے کا رجحان بڑھ جانے کی وجہ سے ذیابیطس کی شرح بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ اندازہ کے مطابق سکول جانے کی عمر کے دس فیصد بچے موٹے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جبکہ پانچ سال کی عمر سے کم کے بیس ملین سے زیادہ بچے موٹے ہیں اور ان میں سے سترہ ملین ترقی پذیر ممالک میں رہتے ہیں۔ چنانچہ نامناسب خوراک اور جسمانی ورزش میں کمی کی وجہ سے ان بچوں میں ٹائپ ٹو ذیابیطس کے مریض بننے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ تاہم اوائل عمر میں بنیادی غذائیت اور کھیلوں میں شمولیت کو لازمی بنانے سے اس میں کمی آسکتی ہے۔

عالمی حدت میں اضافہ سے خطرات

امریکی سائنسدانوں نے کہا ہے کہ عالمی حدت میں اضافہ کے نتیجہ میں سمندر گرم ہوتے جارہے ہیں جن کے عالمی اثرات بہت ہی تباہ کن ہونگے۔ اُن کے مطابق پوری دنیا میں پگھلتی برف پانی کے سائیکل کو تبدیل کر رہی ہے جس کے اثرات پہلے تو بحری رووں پر پڑیں گے اور اس کی وجہ سے موسموں میں عالمی تبدیلی آئے گی۔ اس کی وجوہات صاف طور پر گرین ہاؤس گیسیں ہیں جبکہ اب تک خیال کیا جاتا رہا ہے کہ درجہ حرارت میں اضافہ کی وجہ سورج کی شعاعیں، آتش فشاؤں کا پھٹنا اور پٹرو کاربن ایندھن کا استعمال ہے۔ امریکہ نے گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں کمی کے لئے کیوٹو سمجھوتے پر دستخط کرنے سے اس بنیاد پر انکار کیا ہوا ہے کہ اس کے نتیجہ میں امریکہ کی ایک بڑی آبادی بیروزگار ہو جائے گی اور اربوں ڈالر کا نقصان ہوگا۔

برطانوی سائنسدانوں کا دعویٰ ہے کہ عالمی حدت میں اضافہ کی وجہ سے انٹارکٹیکا میں قطبین پر موجود برف اندازہ سے زیادہ تیزی سے پگھل رہی ہے اور سمندروں کی سطح میں اضافہ کی رفتار اندازہ سے کہیں زیادہ ہے۔ گزشتہ پچاس برس میں انٹارکٹیکا کے جزیرہ نما میں سمندری برف کا تیرہ ہزار مربع کلومیٹر حصہ پانی بن چکا ہے چنانچہ گلیشیئرز کو روکنے والی دیوار ختم ہوتی جارہی ہے اور گلیشیئر پہلے سے چھ گنا زیادہ رفتار سے سمندروں میں تیر رہے ہیں۔

ماہرینِ ماحولیات کے مطابق ہمالیہ کے پگھلتے ہوئے گلیشیئرز لاکھوں لوگوں کیلئے خطرہ کا باعث ہیں اور گلیشیئر کی بھرتی ہوئی جھیلوں سے علاقہ میں تباہ کن سیلاب کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ چنانچہ ان گلیشیئرز کے ناپید ہونے کے خدشہ کے ساتھ ہی ان لوگوں کی زندگی بھی خطرہ کا شکار ہے جو اپنی بقا کیلئے ان گلیشیئرز سے نکلنے والے دریاؤں پر انحصار کرتے ہیں۔

نیپال کے محکمہ آبی وسائل و معدنیات کا کہنا ہے کہ اس معاملہ پر ابھی توجہ نہ دینے پر ایک بھیانک قدرتی آفت کبھی بھی آسکتی ہے۔ نیپالی ہمالیہ کے علاقہ میں 3300 گلیشیئر ہیں جن میں سے 2300 گلیشیئرز کی اپنی جھیلیں ہیں۔ عالمی حدت کی بناء پر اگر ان جھیلوں کا پانی کناروں سے باہر آجائے تو نیپال، بھوٹان، بنگلہ دیش اور بھارت کی آبادی اور وسائل کو ایک بڑا طوفان ملیامیٹ کر سکتا ہے۔ گزشتہ ستر برس کے دوران نیپال کے ارد گرد ایسی تباہی کئی بار ہو چکی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ان گلیشیئرز سے متعلق نئے ارضیاتی اعداد و شمار کی فوری ضرورت ہے ورنہ آفات کی آمد کا علم نہیں ہو سکے گا۔